"جہاد" کا مطلب کیا ہے؟

قرآن کا "قانون جہاد" کیا ہے؟

"جہاد" کے بارے میں درست اسلامی نظریہ کیا ہے؟

جہاد فی سبیل اللہ پر ایک جامع، مدلل اور دلنشین تحریر

پیش لفظ

امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جہاد کا بیانیہ

از قلم

مولانا طلحۃ السیف

مکتبہ عرفان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب .... جہاد کا بیانیہ

مصنف .... مولانا طلحۃ السیف

اشاعت (۱) ۱۰۰۰۰

اشاعت (۲) .... رمضان ۱۴۳۷ھ

تعداد ۱۰۰۰۰

صفحات ۹۶

قیمت .... 70 روپے (نٹ)

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مکتبہ حسن اویس آرکیڈ گراؤنڈ فلور دکان نمبر 17 بالمقابل سوبھراج ہسپتال نزد اردو بازار کراچی 0300-2249928

مکتبہ الایمان دکان نمبر ۱۳۱، ندیم ٹریڈ سینٹر، محلہ جنگی، عقب قصہ خوانی بازار پشاور 0321-9013592

مکتبہ عثمان، ایس اے-46، بلاک 5 ایڈمنسٹریشن ایمپلائیز سوسائٹی کراچی 021-34311896

مکتبہ ابن مسعودؓ، مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ، چشمہ جات نزد کمپنی باغ کوہاٹ 0321-5782621

مکتبہ عثمانؓ و علیؓ، نزد بندھن شادی ہال، کوثر کالونی بہاولپور 0321-6837145

مکتبہ مقصودؒ، اعظم مارکیٹ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی 0323-5019010

ادارہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، فون 061-4514929

مکتبہ الجمیل فیصل آباد 0321-6643667

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 081-2662263

مکتبہ شہداء مظفر آباد 0312-9915065

رجسٹرڈ

مکتبہ عروہ

ناشر

اسٹاکسٹ مکتبہ ابن مبارک حق سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

موبائل: 0321-4066827

انتساب

حضرۃ اباجی قدس سرہٗ کے نام

روحِ پدرم شاد کہ استاذ مرا گفت
فرزند مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

محسن و مربی حضرۃ اقدس امیر محترم حفظہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
و گر کشادہ جبینم گلِ بہار توام

(طلحۃ السیف)

Maktab00305911

فہرست

۞	اصل بیانیہ	۵
۞	جہاد کا بیانیہ	۱۳
۞	جہاد کا معنٰی	۱۵
۞	جہاد کا حکم	۲۲
۞	اَہدافِ جہاد	۲۸
۞	ریاست کی اجازت	۴۱
۞	استعانت	۴۸
۞	کم سے کم مقدار	۵۴
۞	الدعوۃ قبل القتال	۵۹
۞	تربیت	۶۳
۞	جہاد اصغر، جہاد اکبر	۶۷
۞	جاھدوا باموالکم	۷۵
۞	وانفسکم	۷۸
۞	دعوت جہاد	۸۱
۞	فدائی حملہ	۸۳
۞	جماعت	۹۰

اصل بیانیہ

تحریر: امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے...... چمنستان عشق میں ایک نیا پھول کھلا ہے...... جہادی کتب خانے میں ایک وقیع اضافہ ہوا ہے...... دیوانوں کی دنیا میں ایک نئی بہار پھوٹی ہے...... شہداء کرام کا معطر خون قلم و قرطاس پر جگمگایا ہے...... عزم و عزیمت کے ساغر میں ایک نئی مستی اُبھری ہے...... دلیل، حجت اور برہان کی ایک دلکش روشنی چمکی ہے...... اردو ادب میں ایک نیا نگینہ جڑا ہے...... اور ہاں! حسن و عشق کے جام میں ایک نیا سرور اُٹھا ہے...... اہلِ ایمان کو مبارک! خود فریبی، دین فروشی اور ضمیر کُشی کے متعفن بیانیوں کے درمیان...... ایک معطر، اصلی اور حقیقی بیانیہ منظر عام پر آیا ہے...... نام ہے ''جہاد کا بیانیہ''...... بے شک یہ حق کا سلام اور محبت کا پیام ہے......

محبت کا بالآخر رقص بے تابانہ کام آیا
نگاہ شرگیں اُٹھی سلام آیا پیام آیا
ادب اے گردش دوراں! کہ پھر گردش میں جام آیا
سنبھل اے عہد تاریکی کہ وقتِ انتقام آیا
نہ جانے آج کس دُھن میں زباں پہ کس کا نام آیا
فضاء نے پھول برسائے، ستاروں کا سلام آیا

سبحان اللہ! کیسا میٹھا نام ہے، جہاد فی سبیل اللہ...... زبان کے ساتھ دل بھی پکار اُٹھتا ہے الجہاد، الجہاد...... غزوہ بدر کا غبار اور غزوہ اُحد کا خون...... اس سے بڑھ کر حسن کا غازہ اور کیا ہوسکتا

ہے؟...... بے شک جہاد ایمان ہے...... بے شک جہاد محکم فریضہ ہے...... بے شک جہاد خوشبودار سنت ہے...... بے شک جہاد رحمت ہے...... بے شک جہاد عشق ہے...... بے شک جہاد روشنی ہے...... بے شک جہاد محبت بھی ہے اور محبوبیت بھی...... بے شک جہاد مغفرت ہے...... بے شک جہاد حسن ہے...... بے شک جہاد عزت ہے...... بے شک جہاد زندگی ہے...... بے شک جہاد عزیمت ہے...... بے شک جہاد ترقی ہے...... بے شک جہاد نجات ہے...... بے شک جہاد آزادی ہے...... بے شک جہاد صحت، غنیمت اور وقار ہے...... بس اسی ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی دعوت اور ترجمانی کے لئے ایک نئی کتاب آ رہی ہے...... نام ہے ''جہاد کا بیانیہ'' اہل ایمان یقیناً اس سے خوشی اور دلیل پائیں گے...... مگر کئی لوگوں کو اس کتاب سے تکلیف بھی ہوگی...... انہیں درد ہوگا کہ اُن کے باطل قلعے ڈھیر ہو گئے...... اور اُن کے بزعم خویش مضبوط براہین...... خود اُن کے منہ پر طمانچے برسانے لگے......

جو اُٹھا ہے درد اُٹھا کرے
کوئی خاک اس سے گلہ کرے
جسے ضد ہو حسن کے ذکر سے
جسے چڑ ہو عشق کے نام سے

٭...٭...٭

جہاد کے خلاف ہر زمانے میں طرح طرح کے فتنے اُٹھتے رہے ہیں...... یہ فتنے ابتداء میں سمندر کی جھاگ کی طرح یوں پھیلتے ہیں کہ...... حقیقت اُن کے تلے دب جاتی ہے...... مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جھاگ نے ختم ہونا ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے اس نے باقی رہنا ہے...... جہاد میں تو انسانیت کے لئے نفع ہی نفع ہے...... جہاد میں صرف مسلمانوں کا ہی نہیں کافروں کا بھی نفع ہے...... ان میں سے کتنوں کو جہاد کی بدولت ایمان نصیب ہوتا ہے...... اور

کتنوں کو اسلامی نظام کا عدل و انصاف میسر آ جاتا ہے...... جہاد میں صرف انسانوں کا ہی نہیں زمین کی تمام مخلوقات کا نفع ہے...... اس لئے جہاد نے باقی رہنا ہے، موجود رہنا ہے...... اور اسے کوئی نہیں مٹا سکتا...... جہاد کے خلاف اُٹھنے والے فتنے جھاگ کی طرح فنا ہو جاتے ہیں...... ہم نے جب ''دعوت جہاد'' کے میدان میں قدم رکھا تھا تو اس وقت جہاد کے خلاف بعض بڑے اعتراضات ہر زبان پر تھے...... مگر الحمدللہ جہادی دعوت کے دو دو جملوں نے ان طوفانوں کو بے آبرو کر دیا...... حتیٰ کہ آج ان اعتراضات کو کوئی اپنی زبان پر نہیں لاتا...... مگر چونکہ شیطان اپنے کام سے نہیں تھکتا...... اور نفاق ہر زمانے میں کروٹ بدل کر نئی شکل میں اُٹھتا ہے...... اس لئے جہاد پر اعتراضات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے...... ایک اعتراض کو توڑا جاتا ہے تو اس کی جگہ نیا اعتراض پیش کر دیا جاتا ہے...... اس لئے ''دعوت جہاد'' کی ضرورت مسلسل رہتی ہے...... اور یہ بڑی مہارت کا کام ہے...... کیونکہ جہاد کے دشمن بہت ہٹ دھرم ہیں...... ان کو جہاد کے خلاف جب کوئی دلیل ملتی ہے تو وہاں ان کے نزدیک جہاد کا ایک ہی معنیٰ متعین ہوتا ہے...... یعنی قتال فی سبیل اللہ...... اسی طرح جب انہوں نے جہاد یا مجاہدین کو گالی دینی ہو تو وہاں بھی ان کے نزدیک جہاد کا معنیٰ صرف قتال ہوتا ہے...... اسی طرح جب انہوں نے جہاد پر پابندی لگانی ہو...... یا مجاہدین کو پکڑنا، مارنا یا ستانا ہو تو وہاں بھی ان کے نزدیک جہاد کے ایک ہی معنیٰ متعین ہوتے ہیں...... یعنی قتال فی سبیل اللہ...... لیکن جب انہوں نے جہاد کے بارے میں شبہات ڈالنے ہوں...... یا مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہو تو وہاں اُن کے نزدیک جہاد کے ہزاروں مطلب منہ کھول کر سامنے آ جاتے ہیں...... اور وہ ہر عمل کو جہاد قرار دے کر جہاد کے فضائل چوری کرتے ہیں...... گالیاں، گولیاں، جیلیں، پھانسیاں، میزائل اور پابندیاں...... چھوٹے جہاد کے لئے...... اور ہر طرح کا اِکرام بڑے جہاد کے لئے؟ پھر چونکہ نام کے ان مسلمانوں نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ وہ کبھی جہاد پر نہیں نکلیں گے...... اس لئے وہ ہر وقت جہاد کے خلاف شبہات گھڑتے اور ڈھونڈتے

رہتے ہیں......ایسے حالات میں جہاد پر مسلسل بیانات، مسلسل مضامین اور مسلسل کتابوں کی ضرورت ہے تاکہ ہر زمانے کے جہاد مخالف فتنوں کو توڑا جا سکے......عزیز مکرم حضرت مولانا طلحہ السیف کی حالیہ تصنیف ''جہاد کا بیانیہ'' اس سلسلے میں ایک اہم اور قیمتی پیش رفت ہے......

...

جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے......اور ''دعوت جہاد'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہونے والی ایک انمول نعمت ہے...... جہاد انسانی فطرت کا اہم ترین تقاضا ہے......اس لئے جس میں جتنی انسانیت ہوتی ہے وہ اسی قدر جہاد کو سمجھتا ہے...... جہاد اسلامی فطرت کا اہم ترین سبق ہے......پس جس کا اسلام سلامت ہو وہ جہاد فی سبیل اللہ کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے......دل میں جب ایمان آتا ہے تو ساتھ جہاد بھی آتا ہے......اور دل میں جب غیرت ایمانی جوش مارتی ہے تو وہ مسلمان کو ''مجاہد'' بنا دیتی ہے......دعوت جہاد بھی جہاد کا ایک بلند مقام ہے......اور یہ مقام قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے......طلحہ السیف کی خوش نصیبی کہ اسے بچپن کی عمر سے جہاد فی سبیل اللہ کے عملی میدان ہاتھ آ گئے......خون ریز معرکے، خون جلاتے محاصرے اور خونی بارڈر......بار بار موت کا سامنا......اور خطرات سے آنکھ مچولی......

جہاد کا میدان دراصل......حسن وعشق کا بازار ہے...... جوان محاذوں کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے......اسے باہر کی دنیا ''وحشت کدہ'' لگتی ہے......محاذ جنگ میں عجیب سرشاری اور بے فکری ہوتی ہے......جبکہ ''دعوت جہاد'' کا کام بہرحال ان لذتوں سے خالی ہے......طلحہ کی شاید خواہش تھی کہ وہ محاذوں کی لذتوں میں کھویا رہے......مگر اس کے بڑے چاہتے تھے کہ وہ عشق کی الجھنوں بھری ایک اور منزل پر بھی قدم رکھے......یہ منزل ہے ایک عملی مجاہد کا جہاد پر قائم رہتے ہوئے ''داعی جہاد'' بننا......

عشق فنا کا نام ہے ، عشق میں زندگی نہ دیکھ
جلوۂ آفتاب بن ذرہ میں روشنی نہ دیکھ
شوق کو رہنما بنا ہو چکا جو کبھی نہ دیکھ
آگ دبی ہوئی نکال آگ بجھی ہوئی نہ دیکھ
موت و حیات میں ہے صرف ایک قدم کا فاصلہ
اپنے کو زندگی بنا، جلوۂ زندگی نہ دیکھ

طلحہ السیف کو دعوت جہاد کی طرف کھینچنے کا مقصد...... اس کی جان بچانا نہیں تھا...... جان تو ایمان اور جہاد میں ہے...... اور نہ ہی یہ مقصد تھا کہ وہ خطیب و مصنف کہلائے...... خطیب اور مصنف بہت ہیں...... اُمت کو باعمل کرداروں کی ضرورت ہے...... بس مقصد یہ تھا کہ وہ جہاد کا بھی حق ادا کرے اور دعوت جہاد کا بھی...... تا کہ ''قَاتِلْ'' اور ''حَرِّضْ'' کا نصاب مکمل ہو......

جہاد کی چاشنی اور بے فکری میں کھوئے ہوئے...... جہاد کے عشق میں مدہوش ایک دیوانے کو پکڑ کر منبر پر کھڑا کرنا اور اس کے ہاتھ میں قلم پکڑانا آسان کام نہیں تھا...... مگر حضرت اباجی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے...... ایک قابل رشک متوکل علی اللہ فقیر...... اور صاحب فراست ہستی...... وہ کہتے نہیں تھے مگر منوا لیتے تھے...... وہ بعض ایسے رازوں کو سمجھتے تھے جن کو بڑے بڑے لوگ نہیں پا سکتے...... ان کی خاموش اعانت نے ایسی قوت دی کہ طلحہ کو سمجھانا آسان ہو گیا...... اور یوں اُمت مسلمہ کو ایک باعمل داعی مل گیا......

آج جب طلحہ السیف کی کتاب ''جہاد کا بیانیہ'' شائع ہونے جا رہی ہے تو خیالات میں حضرت اباجی بار بار تشریف لاتے ہیں...... شکر سے آبدیدہ دلکش مسکراہٹ کے ساتھ...... اپنے نئے ''صدقہ جاریہ'' کی خوشی میں سرشار...... جیسے فرماتے ہوں...... اے میرے بیٹو! میں نہ تمہیں کارخانے دے گیا نہ آف شور کمپنیاں...... کارخانے اور کمپنیاں مٹ جاتی ہیں...... مگر دین کے

پھول......اور قرآن کے موتی سدا بہار ہیں......سدا بہار......بہت شکریہ پیارے ابا جی! بہت پیارے، بہت محسن ابا جی......

۞...۞...۞

دعوت وہی مقبول ہوتی ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہو......قرآن مجید ہمیں دو باتیں تاکید سے سکھاتا ہے......(۱) توازن......(۲) حدود کی پاسداری......شریعت کا کوئی حکم اس طرح بیان کرنا کہ اس سے شریعت کے دیگر احکامات کی تنقیص یا توہین ہو......یہ ہرگز جائز نہیں......کسی چیز کی دعوت اس طرح سے دینا کہ اس میں مبالغہ کر کے......اس کی شریعت میں مقرر کردہ ''قدر'' کو بڑھا دیا جائے یہ بھی درست نہیں......اسی طرح کسی ایک حکم کے احکامات اور فضائل دوسرے احکامات کے ساتھ جوڑنا بھی دین کی کوئی خدمت نہیں......دعوت خود ایک عبادت ہے نہ کہ ٹھیکیداری......اور عبادت وہی قبول ہوتی ہے جو شریعت کی حدود میں قید ہو......جہاد کی دعوت خصوصاً اس زمانے میں بہت محنت اور احتیاط مانگتی ہے......ہم نے کئی افراد کو دیکھا کہ دعوت جہاد کے لئے اُٹھے مگر شدید جارحانہ فتوے بازی میں مبتلا ہو گئے......انہوں نے سب سے پہلے ''فرض عین'' کا مسئلہ اُٹھایا اور ہر طرف تفسیق کے تیر برسا دیئے کہ......فلاں بھی فاسق، فلاں بھی فاجر......ایسے افراد کی دعوت نہ چل سکی بلکہ اکثر کو دیکھا کہ وہ خود بھی جہاد میں نہ چل سکے...... اور اپنے فتووں کا مصداق بن گئے......بعض افراد نے جہاد کی دعوت اس انداز میں شروع کی کہ دین کے باقی کاموں کا نعوذ باللہ مذاق اُڑانے لگے......اور جہاد کو ہی ہر عمل کی اصل غایت قرار دینے لگے......یہ لوگ بھی آگے جا کر پھنس گئے......کیونکہ وہ صریح غلطی پر تھے......اسی طرح بعض لوگوں نے جہاد کو محض ایک جذباتی اور انتقامی عمل کے طور پر پیش کیا اور کچھ عرصہ خوب دھوم اُڑائی......مگر پھر آگے نہ چل سکے......جہاد دراصل ایک ایسی عبادت ہے......جو سب سے پہلے خود جہاد کے داعی سے عمل اور قربانی مانگتی ہے......جہاد میں حفاظت کا پہلو غالب ہے کہ......جہاد

پورے دین اور سب مسلمانوں کا محافظ عمل ہے...... اس لئے یہ تو ممکن ہی نہیں کہ...... جہاد کا نام لے کر دین کے باقی کاموں کی نفی کی جائے......

بہرحال ان مشکل حالات میں دعوت جہاد کے لئے ایک ایسے اسلوب کی ضرورت تھی...... جس میں توازن بھی ہو اور حدود کی پاسداری بھی...... جس میں علم بھی ہو اور دلیل بھی...... جس میں درد بھی ہو اور شفقت بھی...... جس میں جذبات بھی ہوں اور براہین بھی...... اور جس میں تاکید بھی ہو اور وسعت بھی...... اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری جماعت کو ''دعوت جہاد'' کا یہ قرآنی اسلوب نصیب ہوا...... اور وحشت و جارحیت کی بجائے اُلفت، محبت اور افہام و تفہیم کے ماحول میں جہاد کی بات سنی اور سنائی جانے لگی...... ہم نے لوگوں کے ان سوالات کو نظر انداز کیا جن کا مقصد صرف فتنہ ہوتا ہے...... ہم نے مناظرہ کے انداز کو چھوڑ کر درد، فکر اور کڑھن کے اسلوب میں دعوت جہاد رکھی...... ہم نے خود کو نہ جہاد کا ٹھیکیدار سمجھا اور نہ قرار دیا...... بلکہ مجاہدین کی اصلاح کی بھی بات کی...... اور مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کی فکر کی...... ہم نے جہاد کو اپنا مشن اور مقصد ضرور بنایا مگر اسے اپنی ایسی ''ضد'' نہیں بنایا کہ...... دین کے دیگر کاموں کی عظمت پر کوئی آنچ آئے...... جماعت میں...... دعوت جہاد کو ایمان اور نماز کے ساتھ جوڑ دیا گیا...... دعوت جہاد کے ساتھ مسواک تک کی دعوت شامل کی...... اور جہاد کے بارے میں بس اتنا ہی کہنا کافی سمجھا جتنا...... قرآن و سنت اور اَسلاف نے فرمایا ہے......

توازن، اعتدال اور حدود کی پاسداری کی بدولت...... الحمدللہ یہ دعوت مقبول ہوئی...... اور دنیا بھر میں پھیلی...... اس میں تقریر بھی شامل رہی...... اور تحریر بھی...... اور پھر تفسیر آیات الجہاد نے...... ہر کمی کوتاہی کا الحمدللہ مکمل اِزالہ کر دیا......

آج الحمدللہ جماعت کے پاس مفسرین، خطباء اور مصنفین اہل علم کی ایک خاطر خواہ تعداد موجود ہے...... یہ حضرات جہاد کو شعوری طور پر سمجھتے بھی ہیں...... اور سمجھا بھی سکتے ہیں...... مولانا

طلحہ السیف جماعت کے اس ''دعوتی لشکر'' کی ایک جامع شخصیت ہیں......انہوں نے ''فہمِ جہاد'' اور ''تفہیمِ جہاد'' کو موضوع بنا کر چند مضامین......''جہاد کا بیانیہ'' کے نام سے لکھے...... یہ مضامین الحمدللہ مقبول ہوئے اور اُمت کی بہترین رہنمائی کا ذریعہ بنے......ایسے اہم اور سنجیدہ موضوع پر......ایسی دلکش اور پُرکشش تحریر...... یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور جہاد کی کرامت ہے......آج ساری دنیا کے غامدی مل کر بھی...... جہاد کے خلاف ایسی ایک تحریر نہیں لکھ سکتے......تقاضہ بھی تھا اور ضرورت بھی کہ......ان مضامین کو یکجا شائع کیا جائے......الحمدللہ اب یہ کتاب تیار ہے......اہل ایمان سے گذارش ہے کہ......جدل کی نیت سے نہیں عمل کی نیت سے پڑھیں......اور اسے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچائیں......

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

۞...۞...۞

جہاد کا بیانیہ

بیانیوں کی بھرمار کا دور ہے اور جدید بیانیوں میں سب سے اہمیت کے ساتھ جو مسئلہ اٹھایا جارہا ہے وہ ''جہاد'' کا ہے۔ ضروری ہے کہ جہاد کا وہ بیانیہ اس وقت امت کے سامنے رکھا جائے جو صدیوں سے متفق علیہ چلا آرہا ہے۔ احکام اسلام میں جہاد وہ حکم ہے جس کے باب میں فقہی اختلافات دیگر احکام کی نسبت بہت کم ہیں۔ اسکے اکثر معاملات اجماعی ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ جہاد کا حکم نبی کریم ﷺ پر عمر مبارک کے آخری دس سالوں میں نازل ہوا۔ آپ ﷺ کم و بیش ۲۷ بار خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ نکلے۔ ہر غزوے میں ایک کثیر جماعت ہمرکاب رہی جسکی تعداد بعض اوقات دس ہزار سے بھی متجاوز رہی اس طرح جو عمل بھی نقل ہوا تواتر سے ہوا۔ احکام جہاد جدلی انداز میں نازل ہوئے اس لئے سب کو یادر ہے۔ جہاد کے باب میں جو کوتاہی کسی سے سرزد ہوئی اس پر قرآن نازل ہو گیا اور بات محفوظ ہو گئی۔ اس لئے اگلے زمانوں میں بھی اسکی تعبیر و تشریح اور کلیات و جزئیات متفق علیہ رہے۔ تبدیلی کی ہوائیں کافی آگے جا کر چلیں اور جہاد اکبر و اصغر جیسے مسائل اٹھے مگر امت کا تعامل ہمیشہ ان رجحانات کی نفی کرتا آیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ اس حکم شرعی پر چوطرفہ یلغار ہے اور غامدی بیانیے کے ذریعے معنی، حکم، شرائط اور اہداف و مقاصد سب بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ ان ساری چیزوں کا اصل اسلامی مصداق سامنے رکھا جائے۔ آج پہلے مرحلے میں جہاد کے معنی سے متعلق اسلامی بیانیہ ملاحظہ ہو۔ اسکے بعد حکم اور اہداف اور آخر میں شرائط سے متعلق مغالطوں کی حقیقت

بیان کرنے کی کوشش ہوگی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام مسلمانوں پر فرض فرمائے ہیں وہ اپنے ''شرعی معنیٰ'' کے اعتبار سے فرض ہیں نہ کہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے۔

وہ الصلوٰۃ ہو یا الصوم، الحج ہو یا الزکوٰۃ والجہاد اور اسی طرح دیگر شرعی اصطلاحات۔ یہ الفاظ اب اپنی لغوی تعبیرات سے ہٹے ہوئے ہیں اور ان سب کے شرعی معنیٰ متعین ہیں۔ اور احکام، فضائل، مسائل، وعیدیں سب کا تعلق اسی معنیٰ سے ہے۔

اُمت مسلمہ کا اس بارے میں کوئی اختلاف بھی نہیں۔

مگر ''جہاد'' کے بارے میں بعض لوگوں نے ایک الگ سی رائے قائم کر لی ہے اور آج کل پھر اس کا پرچار زوروں پر ہے۔

ان حضرات کا خیال ہے کہ ''جہاد'' کے کوئی ایک معنیٰ متعین نہیں ہیں بلکہ محنت اور مشقت والے ہر کام کو چونکہ ''جہاد'' کہا جا سکتا ہے اس لئے ہر ایسا کام کر لینے سے فریضہ جہاد ادا ہو جاتا ہے اور فضائل بھی مل جاتے ہیں۔

کیا واقعی ایسا ہے؟؟

محکم اور پختہ شرعی اُصولوں کی رو سے ہرگز نہیں۔ ہاں ''بہانے'' (یا بیانیے) کی حد تک یہ بات درست ہے اور ''جہاد'' کے باب میں بہانے بنانے والوں کے ذکر سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے......

دلیل کے طور پر صرف یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ عربی زبان میں ''جہاد'' کا معنیٰ صرف لڑنا نہیں بلکہ محنت اور مشقت کا ہر کام ہے...... اور قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا اس لئے اس میں جہاں جہاں بھی لفظ ''جہاد'' آیا ہے اس کا معنیٰ عام ہے......

آیئے ذرا اس بات کو شریعت کے ایک مسلم اصول کی رو سے سمجھ لیں......

جہاد کا معنیٰ

ہر لفظ کے چار طرح کے معنی ہوتے ہیں......

(۱) معنی لغوی...... کسی بھی لفظ کے وہ معنی جس کے اظہار کے لئے یہ لفظ بنایا گیا......
مثالیں روزمرہ کے کلام میں لاکھوں ہیں اور ہر زبان میں......

(۲) معنی شرعی...... ایک لفظ کے معنی لغوی کے علاوہ وہ معنی جسے شریعت میں (قرآن وحدیث) میں ذکر کیا گیا ہو۔ مثال اس کی تمام فرائضِ اسلام ہیں۔ مثلاً ''صلوٰۃ'' عربی زبان میں ''دعا'' کو کہتے ہیں۔ اسی لئے درود شریف کو بھی ''صلوٰۃ'' کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی نبی کریم ﷺ کے لئے رحمت کی دعا کرنا ہے اور اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے ''رحمت نازل کرنا''

''صوم'' عربی زبان میں کسی کام سے رک جانے کو کہتے ہیں۔ خواہ کسی بھی کام سے رکنا ہو۔ چلنے سے رکنا، بات کرنے سے رکنا، کھانے پینے سے رکنا وغیرہ

''زکوٰۃ'' کے معنی پاک کرنے کے آتے ہیں...... خواہ کسی چیز کا پاک کرنا ہو......

اور ''حج'' کے معنی ارادے اور قصد کے ہیں......

شریعت نے ان الفاظ کو بعض مخصوص عبادات کا نام قرار دے کر ان کے معنی میں خاص کر دیا......

''صلوٰۃ'' نام رکھ دیا گیا اس عبادت کا جو مخصوص افعال کے ساتھ ادا کی جاتی ہے...... تکبیر تحریمہ سے شروع اور سلام پر ختم ہوتی ہے۔ ''صوم'' نام رکھا گیا نیت کے ساتھ صبح صادق سے

غروب آفتاب تک بھوکے پیاسے رہنے اور بیویوں کی قربت سے اجتناب کرنے کا...... ''زکوۃ'' سال گزر جانے پر اپنے مال کے ایک متعین حصے کو اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنے کو کہا گیا اور ''حج'' بیت اللہ کی طرف سفر اور وہاں مخصوص افعال کی ادائیگی کے معنی میں متعین کر دیا گیا......

اب یہ ان الفاظ کے شرعی معنی ہوئے......

اسلامی فقہ کا مسلمہ اور غیر اختلافی اصول یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے شرعی معنی آ جائیں تو پھر وہی اس لفظ کے حقیقی معنی ہوتے ہیں......اور قرآن و حدیث میں جب بھی یہ لفظ وارد ہو تو اسی معنی میں سمجھا جاتا ہے نہ کہ اپنے لغوی معنی میں......اس لفظ سے متعلق نازل ہونے والے احکام، فضائل، مسائل، مبشرات اور وعیدوں کا تعلق اسی معنی سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ عمومی لغوی معنی سے......فریضے کی ادائیگی بھی اسی معنی پر عمل کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ لغوی معنی پر عمل کر لینے سے......

اب ''دعا'' کرنے یا درود پڑھنے سے ''**اقیموا الصلوٰۃ**'' کے حکم پر عمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی نماز کی کوئی فضیلت دعا و درود سے حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ لفظ صلوٰۃ کے ایک معنی پر تو دعا کرنے سے عمل ہو جاتا ہے......

اب کسی کے اصطلاح شرعی کے بارے میں یہ باور کر لینا کہ اس کی لغوی تعبیر پر عمل سے اصل فریضہ ادا ہو جاتا ہے پورے دین کا حلیہ بگاڑ دے گا۔ اگر جہاد کے بارے میں معیار بدل دیا جائے تو باقی احکام اپنے دائرے میں کیونکر باقی رہ سکیں گے؟۔

(۳) معنیٰ اصطلاحی:

خاص لوگوں کے عُرف میں کسی لفظ کے معنیٰ اَصلی سے ہٹ کر دوسرے معنیٰ مراد لیے جانا۔

مثلاً اہل نحو کے رفع، نصب، جر وغیرہ اصطلاحات۔

محدثین کے ہاں مرفوع، منکر، منقطع وغیرہ اصطلاحات۔

اسی طرح ہر علم وفن میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن کے معنی اس خاص عرف میں کچھ اور جبکہ اصل میں کچھ اور ہوتے ہیں۔

(۳) معنیٰ عُرفی:

عام لوگوں کے عُرف میں ہی کسی لفظ کو اصل معنیٰ سے ہٹا کر دوسرے معنی میں استعمال کیا جانے لگے، اُسے معنیٰ عرفی کہتے ہیں۔ جیسے عربی زبان ''دابۃ'' کا لفظ۔ لغت کے اعتبار سے ''دابۃ'' زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو کہا جاسکتا ہے لیکن عُرف میں اب اس کا اطلاق صرف چوپایوں پر ہونے لگا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات لفظ کا اصل معنی بالکل متروک ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا معنیٰ مراد لیا جانے لگتا ہے۔

آیئے! اس تناظر میں لفظ ''جہاد'' کا جائزہ لیتے ہیں......

جہاد لغت میں کسی مقصد کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کو کہتے ہیں جب کسی مخالف فریق کے خلاف ہو۔

هو استفراغ الوسع في المدافعة بين الطرفين ولو تقديراً (لسان العرب)

قرآن مجید کی مکی سورتوں میں ''جہاد'' اسی معنی میں وارد ہوا ہے۔ حتیٰ کی ان آیات میں کافر کے عمل پر بھی جہاد کا اطلاق ہوا ہے......

وان جاهداك على ان تشرك بي (الآیۃ)

ترجمہ: ''اگر کافر والدین زور ڈالیں کہ تو شرک کر میرے ساتھ''

کافر والدین کے مومن اولاد کو شرک کی طرف بلانے میں زور صرف کرنے کو جہاد کہا گیا......

اس معنی میں جہاد کسی عبادت کا نام نہیں تھا......

مدینہ منورہ میں ''جہاد'' کا لفظ ایک فریضے کے بیان کے طور پر ہوا اور ایک عبادت کا نام رکھ دیا گیا......

ایک ایسی عبادت جسے انسانوں کی دیگر عبادات سے افضل قرار دے دیا گیا......

اس کی طرف شدت سے بلایا گیا...... آنے والوں کے لئے خوب انعامات کا اعلان ہوا اور نہ آنے والوں پر سخت وعید اتاری گئی......

اب یقیناً یہ الفاظ اپنے عام لغوی مفہوم میں نہیں رہا بلکہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج اور صوم کی طرح ایک خاص معنی میں ہوگیا...... اب اس کے احکام، مسائل فضائل، مبشرات، اور وعیدیں تمام تر اسی معنی سے متعلق ہوں گے......

وہ معنی کیا ہیں؟؟...... احکام شریعت کو اُمت کے لئے کھول کر بیان کرنے والے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھیں تو وہ تمام تر اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ "جہاد" کے شرعی معنی "قتال" میں محنت صرف کرنا ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے چاروں فقہی مسالک کی معتبر کتب سے جہاد کے معنی:

جہاد کی تعریف فقہ حنفی میں

(۱) اَلجِهَادُ بَذلُ الوَسعِ وَالطَّاقَةِ بِالقِتَالِ فِي سَبِيلِ الله عَزَّوَجَلَّ بِالنَّفسِ وَالمَالِ وَاللِّسَانِ وَغَيرِ ذَالِكَ۔

قتال فی سبیل اللہ میں اپنی جان، مال اور زبان اور دوسری چیزوں سے بھرپور کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ (البدائع والصنائع)

(۲) اَلجِهَادُ دَعوَةُ الكُفَّارِ اِلَى الدِّينِ الحَقِّ وَقِتَالُهُم اِن لَّم يَقبَلُوا۔

جہاد کے معنی کافروں کو دین حق کی طرف دعوت دینا اور ان سے قتال کرنا، اگر وہ دین حق کو قبول نہ کریں۔ (فتح القدیر)

جہاد کی تعریف فقہ مالکی میں

قِتَالُ المُسلِمِ كَافِراً غَيرَ ذِي عَهدٍ لِاِعلَاءِ كَلِمَةِ الله

جہاد کے معنی ہیں مسلمانوں کا غیر ذی عہد کافروں سے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے قتال کرنا۔(حاشیہ العدوی، الشرح الصغیر)

جہاد کی تعریف فقہ شافعی میں

وَشَرعًابَذلُ الجُهدِفِي قِتَالِ الكُفَّارِ۔

اور جہاد کے شرعی معنی، اپنی پوری کوشش کافروں سے قتال کرنے میں صرف کرنا۔

(فتح الباری)

جہاد کی تعریف فقہ حنبلی میں

اَلجِهَادُقِتَالُ الكُفَّارِ

جہاد کافروں سے لڑنے کو کہتے ہیں۔(مطالب لاولی النہی)(فضائل جہاد ص ۷۲۱)

محدثین کرام کا طرز عمل ملاحظہ ہو کہ وہ اپنی کتب میں "کتاب الجہاد" کے عنوان کے تحت وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق حکم قتال سے ہے اور کسی محدث کا طرز عمل بھی اس کے خلاف نہیں......

صحیح بخاری سے ایک آخری درجے کی کتاب تک......

مفسرین کرام نے "جہاد" کس معنی میں سمجھا؟......تمام تر معتبر کتب تفسیر میں قرآن مجید کی مدنی آیتوں میں لفظ جہاد کی تشریح قتال سے کی گئی ہے۔اردو خوان حضرات "فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد" (امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ) میں درج حوالہ جات سے با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔مزید آسانی درکار ہو تو ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ کرلیں......

"جہاد" کا ترجمہ تمام مدنی آیات میں "لڑنے" سے کیا گیا ہے......

اسی طرح یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ احکام شرع کے بارے میں بحث ہو تو اُمت کے تین

طبقات کی بات سند اور دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے:

۱ فقہاء......

۲ محدثین......

۳ مفسرین......

اُمت کے یہ تین طبقات ہی ایسے ہیں جن کی رائے اَحکام شریعت کے باب میں معتبر ہے اور ان تینوں کا اتفاقی طرز عمل آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے......

یوں کہنا کہ ''قتال'' بلاشبہ جہاد کے شعبہ جات میں سے ایک بڑا شعبہ ہے لیکن ''جہاد'' کے معنی اسی کے لئے خاص نہیں۔ اس لئے قتال کے ترک سے پورے جہاد کا ترک لازم نہیں آتا...... قرآن، حدیث اور فقہاء کرام کی تصریحات کے خلاف ہے......

۱ قرآن مجید کی جن آیات میں مسلمانوں کو ترک جہاد پر سخت وعیدیں دی گئیں ان وعیدوں کا مصداق ''جہاد'' کا کونسا شعبہ ہے؟

۲ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''جہاد'' کے برابر عمل کا سوال کیا...... بخاری و مسلم دونوں میں روایت ہے...... اگر دین میں مشقت والا ہر عمل جہاد تھا تو یہ کس عمل کی برابری کی خواہش میں سوال کیا گیا؟......

۳ سورۃ النساء میں اور سورۃ توبہ میں ''جہاد'' کرنے والے مسلمانوں کو دیگر تمام سے افضل قرار دیا گیا...... درجے اور مقام میں بھی...... اجر میں بھی...... ان آیات میں ''جہاد'' کا کونسا شعبہ مراد ہے؟ اگر مسلمانوں کے ہر مشقت والے عمل پر جہاد کا اطلاق ہوسکتا ہے تو غیر مجاہد کون سا مسلمان ہوا؟ پھر افضل کون اور کم درجے والا کون؟؟؟......

۴ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے المبسوط میں اُمت مسلمہ کا جہاد کے بارے میں جو اجماعی عقیدہ ذکر کیا ہے:

الجهاد فريضة محكمة

''جہادایک محکم فریضہ ہے۔''

اس سے ''جہاد'' کا کونسا فرد مراد ہے؟ کیا ہر وہ عمل فرض ہے جس میں محنت اور مشقت کے معنی ہوں؟......کیا امت مسلمہ کا کوئی ایک اہل علم بھی اس بات کا قائل ہے؟؟......

اسی طرح اگر عُرفِ عام کی بات کی جائے تو اس میں اب تک باوجود شدید محنت اور کثیر کوشش کے لفظ ''جہاد'' کے قتال معنیٰ کے علاوہ دوسرے کسی معنیٰ کو رواج نہیں دیا جاسکا۔مجاہد اور جہادی کا لفظ اس عرف میں بھی صرف مقاتل کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔

گویا کہ لفظ ''جہاد'' کا مصداق معنیٰ کی چاروں اقسام کے مطابق قتال ہی ہے۔

بات طویل ہوجائے گی......خلاصہ کرتے ہیں......

''جہاد'' کے شرعی معنی ''قتال فی سبیل اللہ'' ہیں۔فقہاء، محدثین، اور مفسرین اس پر متفق ہیں......

شریعت کے مسلمہ اصولوں کی رو سے حکم شرعی، اس کے فضائل واحکام کا تعلق معنی شرعی سے ہوتا ہے نہ کہ معنی لغوی سے......اور یہ اصول نماز سمیت تمام احکام میں لاگو ہے......

لہٰذا قرآن مجید کی مدنی سورتوں اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں جہاد عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے......اس کے معنی میں عموم کا قول قرآن، حدیث اور مسلمہ اصول دین کے خلاف ہے۔

۞...۞...۞

جہاد کا حکم

حکم اعتقادی

قتال فی سبیل اللہ اللہ تعالی کا نازل فرمودہ محکم فریضہ اور حتمی فیصلہ ہے۔اس کا منکر کافر قرار دیا جائے گا اور اس سے متعلق عناد رکھنے والے کو گمراہ کہا جائے گا۔(المحیط للسرخسیؒ بحوالہ فتح القدیر)

جہاد فی سبیل اللہ محکم فریضہ ہے، جس کا منکر کافر ہے۔اس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔(فتح القدیر بحوالہ الاختیار)

حکم عملی

ابن عطیہ کہتے ہیں: جس بات پر اجماع قائم ہے، وہ یہ کہ جہاد اُمت محمدیہ پر فرض علی الکفایہ ہے اگر اتنے لوگ اس کام میں لگے ہوں جو کفایت کر جائیں تو بقیہ سے فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، ہاں مگر دشمن اسلامی حدود میں آ جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے۔(الجامع لاحکام القرآن)

جہاد کا حکم یہ ہے کہ وہ باجماعِ اُمت فرض کفایہ ہے۔(ابن رُشد)

ابتدائً فرض کفایہ ہے اگر کفار ہم پر لڑائی مسلط نہ کریں۔(تنویر الابصار شرح رد المحتار)

کفار اگر اپنے علاقے میں ہوں اور مسلمانوں پر حملے کی نیت سے نہ نکلے ہوں تو فرض کفایہ ہے۔(النووی)

کفایہ کی مقدار

مسلمانوں کے امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دار الحرب کی

طرف لشکر روانہ کرے، اور عوام پر ضروری ہے کہ وہ اس میں اپنے امام کی مدد کریں اگر امام لشکر نہیں بھیجے گا تو گناہ گار ہوگا۔ (شامی)

امام پر یہ بھی فرض ہے کہ سال میں ایک بار کفار پر حملہ آور ہو۔ اس میں یا تو خود قیادت کرے یا کسی کو نائب بنائے۔ (القرطبی ج۸ ص۳۸)

اگر مسلمان ترکِ جہاد پر جمع ہو جائیں تو سب گناہ میں شریک ہوں گے، اس صورت میں امام پر لازم ہے کہ وہ اس معاملے پر غور کرے کیونکہ وہ مسلمانوں کا مقرر کردہ حکمران اور ان کی جماعت کا قائم مقام ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ سرحدوں کو خالی نہ چھوڑے اور کفار کو دین کی طرف بلانا بند نہ کرے اور مسلمانوں کو جہاد پر اُبھارے۔ اسی طرح کفار کو اسلام میں داخلے یا جزیہ دے کر رہنے کی دعوت حتی الامکان ترک نہ کرے اور اگر کفار مسلمانوں سے کہیں کہ ہم سے اس بات کا معاہدہ کرو کہ ہم اور تم آپس میں قتال نہ کریں گے، تو مسلمانوں کے لیے یہ معاہدہ کر لینا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور کمزور نہ پڑو نہ ہی غم کرو تم ہی غالب رہو گے، (آل عمران ۱۲۹)

اور یہ معاہدہ اس وجہ سے بھی درست نہیں کہ انہوں نے ایک فریضہ کے مستقل ترک پر معاہدہ چاہا کیونکہ جہاد فرض ہے۔ (شرح السیر الکبیر ج۱ ص۱۹۰، ۱۹۱)

فرض عین

کیا جہاد کبھی فرض عین بھی ہو جاتا ہے یا ہمیشہ فرض کفایہ رہتا ہے؟

اوپر ابن عطیہ کی عبارت جو القرطبی کے حوالے سے منقول ہے اس میں جس طرح جہاد کے ابتداء میں فرض کفایہ ہونے پر اجماع منقول ہے اسی طرح اس بات پر بھی ہے کہ اگر دشمن بلادِ مسلمین میں داخل ہو جائے یا داخلے کے لیے چل پڑے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور فرض عین

ہونے کی صرف یہی نہیں کئی صورتیں ہیں۔کئی علماء مثلا امام التابعین سعید ابن مسیب وغیرہ کا فرمان تو یہ ہے کہ جہاد تمام مسلمانوں پر فرداًفرداًفرض عین ہے، کسی ایک کے اداء کرنے سے دوسرے کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔البتہ جو اجماعی مسئلہ ہے اس میں فرض عین ہونے کی صورتیں درج ذیل ہیں:

۱ جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقہ پر قبضہ کرلیں یا قبضہ کے لیے لشکر روانہ کردیں اور کسی علاقہ کے مسلمانوں کو قتل یا قید کرلیں یا اس جیسی کوئی اور صورتحال پیش آجائے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے جس میں سب کا نکلنا لازم ہوجاتا ہے۔(منجملہ ان کے) یہ کہ اگر کسی علاقہ پر دشمن کا غلبہ ہوجائے یا وہ اسلامی سرزمین میں گھس آئے، جب یہ صورت حال پیش آئے تو اس علاقہ کے تمام لوگوں پر واجب ہوجاتا ہے، کہ قوت مند ہوں یا کمزور، جوان ہو یا بوڑھے ان کے مقابل نکلیں، ہر شخص اپنی وسعت کے بقدر حصہ لے۔جس کا باپ ہو وہ اس کی اجازت کے بغیر نکلے، جو شخص بھی نکل کر لڑسکتا ہو یا مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بڑھا سکتا ہو نکلے اور اگر اس علاقہ کے لوگ ناکافی ہوں تو ان کے قریب پڑوس کے علاقے پر لازم ہے کہ اسی طرح نکلیں جس طرح اس علاقہ کے لوگوں پر لازم ہوا تھا یہاں تک کہ اس مقبوضہ علاقے کے لوگوں کو دشمن کے مقابلے کی قوت نصیب ہو اور وہ جان لیں کہ اب لڑائی کرسکتے ہیں، اسی طرح ہر اس مسلمان پر نکلنا لازم ہوجاتا ہے جسے اس مقبوضہ علاقہ کے لوگوں کے احوال معلوم ہوں اور اسے اندازہ ہو کہ وہ ان کی مدد کو پہنچ سکتا ہے اور انکی قوت بڑھا کر انکی مدد کرسکتا ہے۔

اگر دشمن دارالاسلام کے قریب پہنچ چکا ہو، ابھی اس میں داخل نہ ہوا ہو تب بھی اہل ایمان پر خروج لازم ہوجاتا ہے تاکہ اللہ تعالی کا دین سربلند ہو اور اسلامی سرزمین کی حفاظت ہو اور دشمن کو جواب دیا جاسکے اور اس بات میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔(الجامع لاحکام القرآن حوالہ بالا)

(یہی مضمون امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **الأُم**، **بدائع الصنائع**، اور **الشرح الکبیر** میں موجود ہے)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب دشمن اسلامی بلاد میں داخل ہوجائے تو کوئی شک نہیں کہ اس کو نکال باہر کرنا فرض ہوجاتا ہے "الاقرب فالاقرب" کے قانون کے مطابق (یعنی پہلے اس علاقے کے شہریوں پر پھران کے قریب پھرانکے قریب والوں پر) کیونکہ تمام عالم اسلام بمنزلہ ایک شہر کے ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴۔ ص ۶۰۹)

الامام جصاص رازی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسلمانوں کا یہ عقیدہ معروف (اجماعی) ہے کہ جب اسلامی سرحد پر مقیم مسلمانوں کو حملے کا خطرہ ہواوران میں اپنے دفاع کی قوت نہ ہواوران کوجان اورعزت کاخوف لاحق ہوجائے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے کہ ان کی مدد کونکلیں اور دشمن کی جارحیت سے ان کو بچائیں، یہ ایسی بات ہے جس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۴۷)

(۲) دوسری صورت فرض عین ہونے کی یہ ہے کہ مسلمانوں کا امیر شرعی "نفیر عام" کا اعلان کر دے یعنی تمام مسلمانوں کو نکلنے کا کہہ دے، اس صورت میں سوائے ان مسلمانوں کے جنہیں امام خود روک دے باقی تمام مسلمانوں پر خروج فرض ہوجاتا ہے خواہ وہ کسی حال میں بھی ہوں۔

کیونکہ اللہ تعالی نے نکلنے کا حکم ہوجانے کی صورت میں نکلنا لازم فرمایا ہے۔

(سورۃ توبہ آیت ۳۸، ۳۹)

اوراس آیت کا عام مصداق وہ وقت ہے جب دشمن کے قریب رہنے والے مسلمانوں میں دشمن کی مقاومت کی قوت موجود نہ ہواورامام انکی مدد کے لیے مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دے دے،

لیکن اگر امام بلاضرورت شدیدہ اور ایسی حالت میں بھی نکلنے کا حکم کردے جب سر حدوں والے اپنے دفاع پر خود قادر ہوں تب بھی جنہیں حکم دیا جائے ان پر نکلنا لازم ہوجاتا ہے۔(احکام القرآن حوالہ بالا)

یہ مسئلہ اجماعی ہے اور فقہاء کرام نے اس پر یہ اصول وضع کیا ہے کہ امام کا حکم آجانے سے فرض کفایہ بھی فرض عین بن جاتا ہے۔

(۳) اور تیسری صورت فرض عین ہونے کی یہ ہے کہ جب دشمن کا آمنا سامنا ہوجائے اور لڑائی کا بگل بجادیا جائے، تو جہاد اس وقت خواہ فرض کفایہ تھا یا نفل لشکر میں موجود ہر شخص پر لڑائی میں حصہ لینا فرض عین ہوجاتا ہے اور فرار اختیار کرنا حرام ہوجاتا ہے۔

شرائط

جہاد کی فرضیت کیلئے چھ (۶) شرطیں ہیں:

(۱) اسلام: کیونکہ تمام نصوص میں اہل ایمان کو خطاب کرکے جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور چونکہ جہاد عبادت ہے اور عبادت کا مکلف صرف اہل ایمان ہے۔

(۲) بلوغ:

(۳) عاقل ہونا: تمام تکالیف شرعیہ عاقل بالغ مسلمان پر ہیں اسی طرح جہاد بھی۔

(۴) مرد ہونا: بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے جہاد میں نکلنے کی اجازت طلب کی آپ ﷺ نے فرمایا: تم عورتوں کا جہاد حج ہے۔

اس سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ خواتین پر جہاد لازم نہیں البتہ بعض صورتوں میں عورتوں پر بھی لازم ہے مثلاً اگر امام عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم دے دے تو ان پر لازم ہوجاتا ہے۔

(۵) آزاد ہونا: غلام پر اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلنا فرض نہیں۔

(۶) قدرت ہونا: اس کے دو پہلو ہیں:

(۱) بدن کی سلامتی، ایسا شخص جو جسمانی معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے قاصر ہو وہ جہاد کا مکلف نہیں، مثلا، اندھا، لنگڑا، اور ایسے مرض کا شکار جو چلنے پھرنے سے معذور کر دے، معمولی مرض یا ایسا عذر جو جہاد سے مانع نہ ہو مستثنیٰ نہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

اندھے پر، لنگڑے پر، دائم المرض، انتہائی بوڑھے اور ضعیف پر لازم نہیں۔

(ج:۷، ص:۹۸)

(۲) زادِ راہ کا ہونا، البتہ جب حکومت یا مسلمانوں کی جماعت اسباب کی فراہمی کی ذمہ داری لے لے تو یہ ان کے ذمہ ہونے کی وجہ سے شرط سے ساقط ہو جاتا ہے۔

Maktab003015911750

اَہدافِ جہاد

جہاد کی مشروعیت جن اَہداف کے حصول کے لئے ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱ حفظُ الدعوۃ

کفار کو دعوت اِسلام پہنچانا فرض ہے اور جو کفار اس دعوت کو قبول نہ کریں انہیں جزیہ قبول کرنے کی دعوت دینا اور اگر اسے بھی قبول نہ کریں تو ان سے قتال کرنا۔

اسے اِقدامی جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے اور اس کا حکم پچھلی قسط میں گزر چکا۔

اس قسم کے جہاد سے پہلے کفار کو دعوت دینا بھی ضروری ہے اور اس اَمر کا التزام بھی کہ ان کفار پر چڑھائی نہ کی جائے جن سے جنگ بندی کا معاہدہ ہو یا جو جزیہ قبول کر چکے ہوں۔ حضرات صحابہ کرام کے لشکروں کا شام و فارس کے خلاف بڑی بڑی جنگیں لڑنا اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے کفار کے بادشاہوں کو لکھے گئے خطوط کو فرضِ دعوت کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھا گیا۔ قتال سے پہلے بھی لشکروں کے سامنے دعوت رکھی گئی لیکن یہ اَمر محال ہے کہ لشکر کفار میں موجود ہر فرد تک اِنفراداً دعوت پہنچائی گئی ہو۔ لشکروں کی کثرت، آواز رسانی کے آلات کا نہ ہونا اور زبان کا مختلف ہونا بھی اس بات کے واضح ترین قرائن ہیں کہ ہر فرد تک دعوت اِسلام کا پہنچانا ناممکنات میں سے تھا۔ اس کے باوجود ان سے قتال کیا گیا اور لاکھوں کفار تہہِ تیغ کیے گئے۔

دورِ حاضر کا جدید جہادی بیانیہ وضع کرنے والے غامدی مکتب فکر کا یہ نظریہ سرے سے باطل

اور بلا دلیل ہے کہ جہاد اِتمام حجت کے بعد ہے اور اِتمام حجت صرف انبیاء کر سکتے ہیں اس لئے اب کسی کے لئے کفار سے قتال جائز نہیں رہا۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا ابتدائی زمانہ مکہ مکرمہ میں گذرا۔ اس عرصے میں کفار مکہ سے خوب اچھی طرح اتمام حجت ہوا۔ لیکن وہ لوگ ایمان سے منکر رہے حتیٰ کہ امر قتال آ گیا۔ مشرکین مکہ کے حق میں اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو کسی حد تک درست ہے کہ ان سے قتال ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہوا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے طائف کا صرف ایک دعوتی سفر فرمایا۔ اس میں زیادہ بات چیت کی نوبت بھی نہیں آئی اور نہ ہی اہل طائف کو معجزات دکھائے گئے۔ اس ابتدائی زمانے کے سفر کے بعد اہل طائف پر اتمام حجت کے ذرائع اختیار نہ کئے جا سکے اور تقریباً بیس سال کا طویل عرصہ ان سے انقطاع رہا۔ فتح مکہ کے بعد طائف پر حملہ کیا گیا اور ان سے قتال کیا گیا۔ اس میں اتمام حجت کی شرط کہاں پوری ہوئی؟......

غزوۂ تبوک کے لئے نبی کریم ﷺ نے بیس ہزار کے لگ بھگ لشکر کے ساتھ جس قوم کی طرف خروج فرمایا اس کی طرف سوائے ایک نفری قاصد کے اور کوئی دعوتی بات چیت نہ ہوئی تھی اور غزوہ موتہ میں جس قوم سے شدید قتال ہوا، اُن کی طرف بھی صرف خط کے ذریعے دعوت بھیجی گئی تھی۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں بڑی مہمات کا آغاز فرما دیا تھا۔ اور آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مہمات کا بڑے پیمانے پر احیاء کیا اور نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق بڑے بڑے حملے کر کے روم و فارس کو تاراج کیا۔ ان عظیم الشان طاقتوں پر اتمام حجت کب ہوا؟

محض ایک نامہ مبارک روم کے قیصر اور ایک فارس کے کسریٰ کے نام بھیجا گیا۔ کسریٰ نے خط قوم تک پہنچنے ہی نہ دیا اور چاک کر کے گستاخانہ انداز میں حجت ردّ کر دی۔ اگر اتمام حجت لازم ہوتا تو کیا نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو حکم فرماتے اور فتوحات کی بشارتوں سے نوازتے؟

انتہائی بے دلیل اور بے بنیاد بات کی جاتی ہے کہ ''کفر'' کے خلاف جہاد صرف نبی کر سکتے

ہیں کیونکہ اِتمام حجت لازم ہے۔اس پر جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جہاد کو پیش کیا جائے تو جواب میں اس سے بھی بے بنیاد اور بودی بات کہی جاتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کارِ نبوت کے شرکاء ہونے کی حیثیت سے خصوصیت حاصل ہے۔ باقی اُمت سے ان کے احکام جدا ہیں۔اس طرح ''اقدامی جہاد'' کو اُسی قرن اول کی خصوصیت بنا دیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کون سا ایسا حکم نازل فرمایا ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے خاص تھا اور وہ خطاب باقی اُمت کے لئے نہیں ہے؟......

قرآن مجید میں اگر ایسا کوئی بھی حکم نازل ہوا جو کسی خاص فرد یا جماعت کے لئے تھا تو اس کے لئے خطاب بھی خاص اُسی فرد یا جماعت کو کیا گیا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے لئے جو بعض احکام خاص آپ کی ذات کے لئے اترے اُن میں خطاب آپ کو ہی کیا گیا۔ازواج مطہرات کے لئے کوئی خاص بات آئی تو ''**یانساء النبی**'' کہہ کر اس خصوصیت کو واضح کر دیا گیا۔ جہاد کا حکم مسلمانوں کی جماعت کو ہے، بالکل اُسی طرح جیسے نماز روزے کا حکم مسلمانوں کو، اہل ایمان کو مخاطب کر کے دیا گیا۔ اگر ان تمام احکام میں سے کسی ایک کو ان کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو باقی احکام کے اِنکار کا دروازہ کھل جائے گا۔کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ تمام اَحکام میں سے ایک کو بلا دلیل خاص کر دیا جائے اور بقیہ کو عموم پر رکھا جائے اور اگر بالفرض یہ بات تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر تابعین نے جو قتال کیا اس کا کیا حکم ہوگا؟

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پھر یقیناً اپنے بعد والوں کو قتال کے فضائل سنانے ترغیب دینے اور اُس کے اَحکام بتانے کی بجائے اُمت کو منع فرماتے کہ یہ عمل ہماری خصوصیت تھی، اس لئے بعد والے اِسے نہ کریں۔ذرا سوچئے کہ یہ بے بنیاد بات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت پر کتنی بڑی تہمت ہے کہ انہوں نے دین کے بارے اگلی نسلوں کو درست رہنمائی نہ فرمائی۔العیاذ باللہ

فرضیت جہاد کے دوسرے اور اہم ترین ہدف کی طرف جانے سے پہلے اس موضوع کی تکمیل مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جہاد کسی ایک زمانے کا خاص عمل ہے یا ہمیشہ جاری رہنے والا عمل؟ اس بارے میں قرآن و حدیث کے دلائل سے بات واضح کر دی جائے۔

جہاد کب تک؟

قرآن مجید میں یہ آیت دو جگہ آئی ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (كُلُّهٗ لِلّٰهِ)

''اور قتال کرتے رہو ان کفار سے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور حکم خالص اللہ کا چلے''

(البقرۃ۔الانفال)

اس میں لفظ ''حتیٰ'' کے ساتھ قتال کی غایت بتائی گئی کہ جب تک ''فتنہ'' یعنی کفر کی وہ ہر قسم کی قوت جو مسلمان کے ایمان کے لئے خطرہ اور امتحان بن سکے خواہ عسکری قوت یا مادی یا مالی، ہر ایسی قوت ختم نہ ہو جائے اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی سربلند نہ ہو جائے، اُس وقت تک کفار سے قتال کرتے رہو۔ تاویل کی گنجائش بھی باقی نہیں چھوڑی گئی کہ قتال کا لفظ لایا گیا، جہاد کا نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس مقصد کے حصول کے لئے قتال کا آغاز فرمایا۔ جہاں تک ہوا آگے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنبھال لیا اور ان کی پوری جماعت تن دہی کے ساتھ اس کے حصول کی محنت میں مشغول رہی حتیٰ کہ اگلوں کو یہ امانت سونپی گئی۔ اب جب تک یہ کام پورا نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ آیت اس کا حکم ہے۔

نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں اس بات کو دو مختلف جہتوں سے بیان کیا گیا۔ کچھ روایات میں ایسا ہوتے رہنے کی خبر صادق ہے اور کچھ روایات میں ایسا ماننے کو عقیدے کا لازمی جز و اور اسلام کے بنیادی عقائد میں سے قرار دیا گیا۔ دونوں روایات پیش خدمت ہیں:

صحیح مسلم کی روایت ہے جو متعدد طرق اور متعدد الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے:

''میری اُمت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی خاطر قتال کرتی رہے گی اور کفار پر غلبے کی محنت میں رہے گی قیامت کے دن تک'' (صحیح مسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت اور ابوداؤد میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''**المسیح الدجال**'' کے قتل تک ''لا تزال'' کے لفظ کے ساتھ برابر اس عمل کے بغیر انقطاع ہر زمانے میں جاری رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ اور ابوداؤد و ترمذی کی ایک روایت میں یہ عقیدہ رکھنے کو اسلام کے بنیادی احکام میں سے قرار دیا گیا ہے کہ جہاد ہر زمانے میں جاری رہے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں:

(۱) جو شخص کلمہ پڑھ لے اس سے اپنا ہاتھ روک کر رکھنا کہ اسے کسی گناہ کی وجہ سے نہ کافر قرار دو اور نہ قتل کرو۔

(۲) جہاد جب سے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تب سے جاری ہے اور میری اُمت کے آخری لشکر کے دجال کو قتل کرنے تک جاری رہے گا۔

(۳) تقدیر پر ایمان رکھنا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اس حدیث کے ابتدائی الفاظ پر غور فرمائیں۔ یہ بات واضح ہے کہ آگے جو امور بیان ہو رہے ہیں، اُن کا تعلق عقیدے سے ہے اور تعلق بھی معمولی نہیں بلکہ بنیادی ہے، کہ اگر ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے گی تو دعویٰ ایمان بے بنیاد ہو جائے گا۔ اور ان تین امور میں سے ایک یہ ہے کہ جہاد اپنی ابتداء سے دجال کے قتل تک جاری رہے گا۔ اس جملے کو حدیث کے اساسی مضمون کے تناظر میں دیکھا جائے تو اسے صرف خبر کے طور پر نہیں لیا جا سکتا ہے، اور اگر صرف خبر کے طور پر بھی لیا جائے تو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر ہونے کے سبب اس کا تعلق پھر بھی عقیدے کے

ساتھ بن جائے گا۔

حدیث کا پہلا جزء خارجیت کی نفی ہے، دوسرا غامدیت کی اور تیسرا نیچریت کی۔ یہ تینوں مکاتب فکر ایمان کی بنیاد سے محروم ہیں۔

اب قرآن وحدیث کے اس واضح مضمون کے تناظر میں اس بے بنیاد دعوے کی حیثیت خود سمجھ لیجئے۔ آیات واحادیث کا یہ مضمون خود ساختہ نہیں بلکہ اجماعی ہے۔ اس لئے امام جصاص رازی رحمہ اللہ نے سورۃ التوبہ کے احکام جہاد کے بیان میں اس حقیقت کو بھی واضح فرمادیا ہے کہ:

''قال ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد ومالك وسائر فقهاء الامصار: ان الجهادفرض الى يوم القيامة''

ترجمہ: امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد اور امام مالک اور تمام عالم اسلام کے فقہاء کا فرمان ہے کہ: جہاد قیامت تک فرض ہے'' (أحکام القرآن للجصاص۔ج ۳ ص ۱۴۱)

(یہ بحث مستقل ہے کہ کبھی فرض کفایہ اور کبھی فرض عین)

لیجئے! تمام فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ آگیا، گویا جہاد کے جاری رہنے اور ہر زمانے کا فریضہ ہونے کا اجماعی بیانیہ۔ اس کے مقابل غامدی اور ان کے متعلقین کا من گھڑت اور بے دلیل بیانیہ اب کیا حیثیت رکھتا ہے؟ یا تو فیصلہ ہی یہ کر لیا جائے کہ دین اب تک کسی زمانے میں سمجھا ہی نہیں گیا تھا اب سمجھ میں آیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

اس بحث سے دوسرا مسئلہ بھی ضمناً مکمل ہو گیا کہ جہاد کی مشروعیت کا دوسرا ہدف:

۲ رَدُّ العُدْوَان ہے

یعنی کفر کی ہر اُس طاقت اور قوت کو توڑ دینا جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرہ ہو اور دنیا سے ان کا نظام مٹا کر اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو سر بلند کرنا۔

کفر کی ایسی ہر قوت کو توڑ ڈالنا ''جہاد'' کے بلند ترین مقاصد میں سے ہے۔ اس کی عظمت و

اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کفر و اسلام کی سب سے پہلی مڈبھیڑ ''سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ '' جس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۷۔۲۱۸ میں ہے۔ کفار کے سامان تجارت والے قافلے کو لوٹنے کے لئے لڑی گئی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر نبی کریم ﷺ کا سب سے پہلا خروج جس میں آپ ﷺ نے لشکر کی کمان فرمائی ''غزوہ ابواء'' دوسرا خروج ''غزوہ ذات العشیرہ'' کفار کے تجارتی قافلے کو پکڑنے اور مال چھیننے کے لئے تھے۔ دونوں بار قافلے بچ نکلے اور پھر وہ خروج ہوا جس کا ذکر قرآن مجید کی ایک پوری طویل سورت پر محیط ہے۔ وہ معرکہ جسے ''الفرقان'' کا نام دے کر حق و باطل کا معیار بنا دیا گیا۔

جس دن وہ معرکہ برپا ہوا، وہ دن ''أیام اللہ'' میں سے قرار پایا اور جسے ہمارے ایمان کا حصہ بنا دیا گیا یعنی معرکہ ''بدر''۔ اس کے لئے بھی خروج دراصل اسی قافلے کو پکڑنے کے لئے تھا۔ تاویلیں کرنے والے اور معذرت خواہانہ وکالت کے ذریعہ اسلام کو کمزور کرنے والے کچھ بھی تاویلیں کرتے رہیں قرآن نے معاملہ صاف کر دیا ہے کہ خروج کا مقصد ابوسفیان کے قافلے پر مسلمانوں کا حملہ تھا، نا کہ ابوجہل کے لشکر سے دفاع......

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ

''اور تم اس خواہش میں نکلے تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ لگے'' (الانفال)

کفار کو مال سے محروم کر دینا ان کی قوت کو توڑتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس مقصد کے لئے تین بار خروج فرمایا اور صحابہ کرام کو نکالا۔

کفار کی قیادت کو ختم کر دینا انہیں کمزور کرتا ہے اور ان کی کمر توڑتا ہے۔ قرآن نے اس لئے حکم دیا:

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ

''پس قتل کرو کفار کے مقتداؤں، پیشواؤں کو'' (التوبہ)

نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف، ابورافع، ابوعفک، خالد بن سفیان ہذلی کے قتل کے لئے خفیہ دستے روانہ فرمائے۔ قلعوں میں آرام کی نیند سو رہے کفار پر رات کی تاریکی میں حملہ کرا کے انہیں جہنم رسید کرایا اور قتل کرنے والوں کو جنت کی بشارتوں سے نواز کر مسلمانوں کو یہ کام جاری رکھنے کی ترغیب دی۔ کفار کے عسکری اور سیاسی اتحاد کو توڑنے کے لئے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ''خدعۃ'' کی سکیم پر عمل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور کامیابی کی دعاء سے نوازا اور اس سکیم سے مشرکین و یہود کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ یہود کو ایک بار جلاوطن کر کے ان کی قوت اور یکجائی کو توڑا اور پھر خیبر پر حملہ فرما کر انہیں عسکری شکست سے دوچار کیا۔ یہ سب حملے ردّ العدوان تھے۔ اس لئے نہ ان سے پہلے دعوت اسلام کا اہتمام منقول ہے اور نہ ہی بعد میں انہیں حلقہ بگوش اسلام کرنا۔ بلکہ ان تمام کارروائیوں کا مقصد کفر کی قوت کو توڑنا تھا تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں سے باز آجائیں۔ سورۃ الانفال کے نویں پارے کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ کفار تین طرح سے مسلمانوں پر اور ان کے ایمان پر ہمیشہ حملہ آور رہتے ہیں۔

(۱) مال کے ذریعے

(۲) صالح اور غیر تمند قیادت کو نشانہ بنا کر

(۳) ان میں بے راہ روی پھیلا کر

اور یہ تینوں طریقے بیان کر کے متصلاً حکم فرما دیا گیا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

''ان کفار سے قتال کرتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور حکم خالص اللہ تعالیٰ کا چلے'' (الانفال)

یعنی اس مقصد کے حصول کے لئے قتال کرتے رہو کہ کفار ان میں سے کسی طرح بھی

تمہارے ایمان کوخطرے میں نہ ڈال سکے۔(ان آیات اور موضوع کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو فتح الجواد جلد دوم)

۳ نُصْرَةُ الْمُسْتَضْعَفِينْ

جہاد کی مشروعیت کا تیسرا ہدف اور موقع ہے جسے ہم ''دفاعی جہاد'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں یا ان کی زمین پر قبضہ کر لیں یا شعائرِ اسلام پر روک لگا دیں یا مسلمانوں میں سے کچھ کو قید کر لیں۔ ان تمام صورتوں میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کفار کے خلاف لڑیں حتیٰ کہ مطلوبہ ہدف حاصل کر لیں۔ قرآن مجید کی کئی آیات میں صراحت کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لئے کفار سے لڑنے کا حکم ہے۔ سب سے صریح حکم سورۃ النساء کی آیت ۷۵ میں اور سب سے تاکیدی حکم بیان ہوا سورۃ الانفال آیت ۷۲ میں......

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۝

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہو گیا کہ نہیں لڑتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور ان مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لئے جو مرد ہیں، عورتیں ہیں اور بچے ہیں، جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں نکال اس بستی سے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور مددگار مقرر فرما۔ (النساء ۷۵)

یعنی جس طرح فی سبیل اللہ یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور فروغِ دعوت حق کے لئے قتال کرنا شرعی جہاد ہے اسی طرح مظلوم مسلمانوں کی مدد، نصرت اور نجات کے لئے لڑنا بھی مستقل ''جہاد'' ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے لئے قرآن کا واضح جواب ہے جو قتال کی مشروعیت صرف دعوت کے لئے مانتے ہیں۔ زمین کے لئے لڑنا، ممالک کی آزادی کے لئے لڑنا، قیدی چھڑانے کے لئے لڑنا سب

جہاد کی تعریف سے خارج ہے۔ کئی تو ایسے سادہ دل بھی ہیں جو اس وجہ سے جہاد کو ناجائز قرار دے دیتے ہیں کہ کشمیر و افغانستان میں مجاہدین کفار پر حملہ آور ہوتے وقت انہیں اسلام کی دعوت کیوں نہیں دیتے۔

مسلمانوں میں مسائل جہاد سے یہ ناواقفیت انہی لوگوں کی مہربانی ہے جو جہاد کے علاوہ ہر معاملے میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں مگر جہاد کا ذکر انہوں نے ترک کر دیا ہے۔ ورنہ یہ احکامات اتنی وضاحت کے ساتھ کتب فقہ و تفسیر میں موجود ہیں کہ کسی قسم کا کوئی اشتباہ قریب بھی نہ پھٹکتا۔ اوپر سے ظلم یہ ہوا کہ اہل باطل جہاد کے بارے میں اپنے من گھڑت نظریات اور مغربی تاویلات لے کر برساتی مینڈکوں کی طرح ہر طرف نکل آئے۔ الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا سب پر ان کا زور ہوا۔ ہر طرف ان کا موقف سنایا جانے لگا اور اہل حق نے مگر اپنی خاموشی نہ توڑی۔ آج صورتحال یہ آ گئی کہ اچھے دیندار مسلمانوں کا جہاد کے بارے میں وہ نظریہ ہے جو العیاذ باللہ کتب فقہ میں کفر و ضلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

''نصرة المستضعفين'' کے لئے نکلنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

سب سے پہلے قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہیں:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

''اور اگر وہ مسلمان تمہیں دین کے معاملے میں اپنی مدد کو پکاریں تو تم پر لازم ہے فی الفور ان کی مدد کرنا۔'' (الانفال ۷۲)

آیت مبارکہ میں کئی طرح کی تاکیدات ہیں:

(۱) علیکم کا لفظ جو باتفاق وجوب کے لئے ہے۔

(۲) ''ف'' کے ذریعے عطف جو فوری عمل کو لازم کرتا ہے۔

(۳) مبتداء پر خبر کی تقدیم جو ''حصر'' کے معنی پیدا کرتی ہے یعنی صرف یہی ایک آپشن ہے اس کے

علاوہ کوئی نہیں۔

مزید تاکید کے لئے اگلی آیت میں فرمایا گیا:

اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ

''اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا۔ (الانفال ۷۳)

حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے تصریح کی ہے اس جملے کا تعلق ''علیکم النصر'' کے حکم سے ہے۔ یعنی اگر کسی ایک جگہ کے مسلمان مدد کے لئے پکار رہے ہیں اور دوسرے مسلمان فوری ان کی آواز پر لبیک کہنے کے قرآنی حکم پر عمل نہ کریں گے تو زمین میں فتنہ اور فساد کبیر برپا ہو گا۔ کفار ان مظلوم مسلمانوں کی جانیں لے سکتے ہیں، مال لوٹ سکتے ہیں، عزتیں برباد کر سکتے ہیں، مساجد ویران کر سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان کے ایمان کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں جو اصل فتنہ اور حقیقی فساد کبیر ہے۔

اور یہ تب یہ ہو سکتا ہے جب مسلمان اس فرض سے پہلوتہی کریں۔ اگر مسلمان بروقت مدد کو پہنچنا اپنا شعار بنالیں۔ اس حکم خداوندی کو علی الفور بجالائیں تو ایسا ممکن نہیں کہ کفار اعتداء کو دہرا سکیں۔

یہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے اور امت کے تمام فقہاء اس کی اسی تفسیر پر اجماع کر چکے ہیں۔

''ثم هذا (اذا لم يكن النفير عاما. فان كان) بان هجموا على بلدة من بلاد المسلمين (فيصير من فروض الاعيان) سواء كان المستنفر عدلا او فاسقا فيجب على جميع اهل تلك البلدة النفر و كذا من يقرب منهم ان لم يكن باهلها كفاية و كذا من يقرب ان لم يكن بمن يقرب كفاية اوتكاسلوا او عصوا. وهكذا الى ان يجب على جميع اهل الاسلام شرقا وغربا''

(فتح القدیر کتاب السیر)

ترجمہ: ''اور یہ (جہاد کا فرض کفایہ ہونا) اس وقت تک ہے جب نفیر نہ ہو۔ جب نفیر آ جائے اس طرح کہ کفار مسلمانوں کے شہر پر حملہ آور ہو جائیں تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ بلانے والا عادل ہو یا فاسق۔ پس اس علاقے کے تمام لوگوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ قتال کے لئے نکلیں۔ اسی طرح ان کے قریب والوں پر (واجب ہو جاتا ہے) جب کہ اس علاقے کے لوگ کافی نہ ہوں۔ اسی طرح ان کے قریب والوں پر جبکہ پڑوسی کافی نہ ہوں یا سستی کریں یا انکار کردیں۔ اسی طرح تمام اہل اسلام پر واجب ہوتا چلا جاتا ہے مشرق و مغرب تک''۔

اور یہ ''الاقرب فالاقرب'' کا قانون بھی کفار کے حملے کی صورت میں ہے۔ اگر کوئی مسلمان کفار کی قید میں چلا جائے تو حکم اس کی نسبت بھی اشد ہے۔

''بخلاف انقاذ الاسير وجوبه على الكل من اهل المشرق والمغرب ممن علم''

''بخلاف قیدی آزاد کرانے کے کہ اس صورت میں وجوب کا حکم مشرق سے مغرب تک ہر اس مسلمان کے لیے برابر ہے جسے اس واقعہ کا علم ہو۔'' (فتح القدیر کتاب السیر)

اس کو ردالمحتار اور خانیہ وغیرہ میں یوں لکھا ہے:

''امرأة سبيت بالمشرق وجب على اهل المغرب ان يخلصوها''

(اگر مشرق میں ایک مسلمان عورت کفار کی طرف سے قید کر لی جائے تو اہل مغرب تک تمام مسلمانوں پر اس کا چھڑانا لازم ہے)

خلاصہ:

''حکم جہاد'' کی بحث کا خلاصہ کرتے ہیں:

① جہاد ابتداء فرض کفایہ ہے۔ کفایت کی تعریف، مقدار اور احکام کو ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔

(۲) حملے کی صورت میں، صف آراستہ ہو جانے کی صورت میں، اور نفیرِ عام کی صورت میں فرض عین ہو جاتا ہے۔

(۳) جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی ہے اور اسی کی شاخوں کی طرف پھر یہ تین مقاصد کے لئے مشروع ہے۔ ان تمام مقاصد میں سے جس کے حصول کے لئے بھی لڑا جائے شرعی جہاد کہلائے گا۔ پھر ہر ایک کے داخلی احکام جدا ہیں۔

(۴) مسلمان اگر مدد کے لئے پکاریں تو نکلنا لازم ہے اگرچہ بلانے والے مسلمان فساق ہی کیوں نہ ہوں۔ سورۃ الانفال کی آیت ۷۲ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے اور ایسے مسلمانوں کی مدد کیلئے فوری نکلنے کا حکم فرمایا گیا جو اپنے اعمال کی برائی کے اعتبار سے مسلمانوں کی قلبی ولایت کے بھی مستحق نہیں، مگر تناصر پر ان کا حق واجب کیا گیا۔

Maktab003015931750

ریاست کی اِجازت

شرائط جہاد کا ذکر حصہ دوم میں گزر چکا۔ اس میں اہل سنت والجماعت کے تمام مسالک فقہیہ کے ہاں جو شرائط، فرضیت جہاد کی ہیں ذکر کر دی گئیں۔ کسی ایک امام نے بھی ان شرائط میں امام اور خلیفہ کی موجودگی یا اس کی اجازت کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس تاثر کی تردید ضرور منقول ہے کہ جہاد کی درستگی کے لئے اِذنِ امیر شرط ہے۔ جن نصوص میں ''امیر'' کے بغیر جہاد کی ممانعت اور کراہت مذکور ہے ان کا محمل ''اَمیرِ جہاد'' ہے۔ یعنی مسلمانوں کا کوئی لشکر اس حال میں کفار کے خلاف نہ لڑے کہ ان پر کوئی امیر موجود نہ ہو بلکہ اگر دوران جنگ امیر شہید ہو جائے تو اسی وقت نیا امیر مقرر کیا جائے اور امیر مقرر کرنے کا کام بھی مسلمانوں کی جماعت خود کر سکتی ہے، لازم نہیں کہ ریاست مقرر کرے۔ جیسا کہ غزوہ موتہ میں پہلے تین اُمراء کی شہادت کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر نامزد کر لیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس فیصلے کی تصویب فرمائی اور حضرت خالد کو ''سیف من سیوف اللہ'' کا خطاب دیا۔ یہ دراصل دو الگ الگ مسئلے ہیں جن کو خلط کر کے مغالطہ ڈالا جاتا ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ جہاد اسلامی ریاست کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ یعنی اسلامی ریاست کیلئے لازم ہے کہ وہ جہاد کو قائم رکھے لیکن جہاد صرف اسلامی ریاست ہی کا کام ہے یہ مسئلہ غلط ہے۔ ریاست اگر اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرے گی تو اہل اسلام پر سے جہاد منسوخ نہیں ہو جائے گا۔

ہمارے ہاں یہ تاثر عام ہے اور جدید بیانیہ کے واضعین کی طرف سے کئے جانے والے

نمایاں اعتراضات میں سے یہ بات ہے کہ جہاد صرف ریاست کا کام ہے، اس کی مرضی اور اجازت سے ہوسکتا ہے۔ بقول ان کے ''پرائیویٹ جہاد'' کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں حتیٰ کہ مسلمان اگر ظلم کے خلاف اپنے دفاع کے لئے بھی لڑیں تو بھی ان کے لئے ریاست کی اجازت و سرپرستی لازم ہے۔

عجیب بات ہے۔ مسلمانوں پر کفار کا تسلط ہو چکا ہو تو اس وقت کون سی ریاست باقی ہو گی جو انہیں قتال کرنے کا حکم دے گی؟......

اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ مخالفینِ جہاد تین باتیں ایک ہی سانس میں کرتے ہیں جن میں سے فیصلہ آپ خود کرلیں کہ کون سی بات دوسری بات کی تکذیب یا تائید ہے؟

۱۔ جہاد ریاست کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا، ریاست کا کام ہے وہ جہاد کا فیصلہ کرے، پرائیویٹ جہاد ناجائز ہے۔

۲۔ ریاستی ادارے مجاہدین کی خفیہ سرپرستی بند کریں یا مجاہدین کو یہ طعنہ کہ وہ ریاستی اداروں کی ایماء پر جہاد کرتے ہیں۔

۳۔ ریاست سیکولر ہونی چاہیے اس کا مذہبی معاملات سے ہرگز واسطہ نہیں ہونا چاہیے، مذہب ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔

ان میں سے اگر پہلی بات درست ہے تو تیسری غلط ہے۔ دوسری درست ہے تو پہلا اعتراض خود ختم ہو گیا اور اگر تیسری درست ہے تو پہلی بکواس ہے۔

لیکن جن نظریات کی بنیاد قرآن وحدیث نہ ہوں ان میں ایسے تضادات کا وجود کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

اب اصل بات کی طرف آتے ہیں۔

جہاد اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے مگر ریاست کا وجود اس کی اجازت اور اس کی ترتیب

جہاد کی شرائط میں سے نہیں بلکہ ''پرائیویٹ جہاد'' نبی کریم ﷺ کے زمانے سے اسلام کے تقریباً ہر دور میں موجود رہا ہے اور اس بناء پر فقہاءِ کرام میں سے کسی نے بھی ریاست کی اجازت کو شرائط جہاد میں شامل نہیں کیا بلکہ شرط نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔

پہلا پرائیویٹ جہاد

اس ضمن میں سب سے پہلی اور سب سے مضبوط دلیل حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابہ میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں اسلام لائے مگر کفار کی پابندیوں کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے مگر ہجرت کی کوششوں میں رہتے تھے۔ ۶ ھ میں ''حدیبیہ'' کا معاملہ پیش آیا اور نبی کریم ﷺ کا کفار مکہ سے وہ معروف معاہدہ ہوا جس کی رو سے اہل مکہ مسلمانوں کے لئے ہجرت کا دروازہ چند سال کیلئے بند ہو گیا۔ یہ شرط لکھی گئی کہ آئندہ دس سال تک جو مسلمان بھی المکۃ المکرمۃ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جائے گا مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ جبکہ مدینہ سے ترک اسلام کر کے مکہ آجانے والوں کے لئے کوئی پابندی نہ تھی۔ یہ وہ سخت ترین شرط تھی جس نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور مزید یہ کہ اسی حدیبیہ کے میدان میں ہی اس کی عملی شکل سامنے آ گئی اور زنجیروں میں جکڑے ابو جندل رضی اللہ عنہ واپس لوٹا دیے گئے۔ بظاہر یہ ہجرت کا دروازہ بند ہونا تھا مگر حکمت الٰہی میں یہ بات مقدر تھی کہ یہی معاہدہ دراصل مسلمانوں کے لئے پُر امن اور علانیہ ہجرت کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ بنے گا اور اس حکمت کا ظہور حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پرائیویٹ اور غیر ریاستی جہاد سے ہوا اور صرف چھ ماہ میں انہونی ہو گئی۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ اس معاہدے کے دو ماہ بعد مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ پیچھے پیچھے وصولی کے لئے دو مشرک بھی ساتھ چلے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے صبر کی تلقین فرمائی، ایک بلیغ اشارہ دیا اور ان مشرکین کے ساتھ واپس کر دیا۔ انہوں نے اشارے کے پیغام کو سمجھا، اس پر عمل

کرنے کی ایک ترتیب بنائی اور راستے میں پہلا قدم اُٹھالیا۔ انہی مشرکین سے ہتھیار چھین کر انہیں قتل کیا اور مکہ مکرمہ جانے کی بجائے ساحل سمندر پر جا کر چھپ گئے۔ وہاں سے آتے جاتے شناساؤں کے ذریعے اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خط و کتابت کی جو انہی کی طرح مکہ مکرمہ میں محصور تھے اور ہجرت نہیں کر پا رہے تھے اور انہیں اپنی طرف آنے کی دعوت دی یہ لوگ چونکہ معاہدے کی رو سے مدینہ منورہ نہیں جا سکتے تھے اور مکہ کے مشرکانہ ماحول اور مشرکین کی ایذاؤں پر صبر بھی مشکل تھا اس لئے انہوں نے موقع غنیمت جانا اور خفیہ طریقے سے نکل کر ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور ان حضرات نے مشرکین کے افراد کو قتل کرنا اور ان کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ مشرکین کے مالی مفادات پر چوٹ پڑی تو عقل ٹھکانے آئی اور فوراً انہوں نے یہ "جہاد" رُکوانے کے لئے ریاست سے رجوع کیا۔ ریاست نے براءت کی کہ نہ تو ان مجاہدین نے ہمارے کہنے پر یہ کام شروع کیا ہے اور نہ ہم انہیں روک سکتے ہیں۔ بالآخر مشرکین مکہ کو جھکنا پڑا اور اس معاہدے کے بعد محض کم و بیش چھ ماہ کے عرصے میں انہوں نے خود آ کر وہ شق ختم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی جس کا قبول کرنا اہل ایمان پر سخت شاق گزرا تھا۔ انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اب مسلمانوں میں سے جو شخص مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانا چاہے وہ آزاد ہے۔ بالکل امن کے ساتھ کھلے بندوں جائے اس کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیشکش قبول فرمائی اور ان مجاہدین کی طرف اس عظیم فتح کی خوشخبری کے ساتھ والا نامہ ارسال فرمایا اور انہیں مدینہ منورہ آنے کی دعوت بھیجی۔ جب یہ خط پہنچا تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ نامہ مبارک سینے پر رکھا اور فتح یابی کی خوشی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ باقی حضرات وہاں سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جن کی مظلومیت نے حدیبیہ کے میدان میں سب کو رلا دیا تھا۔ آج وہ ایک عظیم فتح اسلام اور مسلمانوں کو دِلا کر شان اور فخر کے ساتھ اپنے مقصد یعنی ہجرت میں کامیاب ہوئے۔

اس واقعے سے یہ چند باتیں پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گئیں:

(۱) ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور دیگر مکی اہل ایمان کا یہ خروج جہادِ شرعی تھا۔ اگر ان کا فعل شرعاً ممنوع ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں حکماً روک دیتے خصوصاً جبکہ مشرکین نے استدعا بھی کی تھی۔

(۲) ریاست اس ''جہاد'' میں بالکل شریک نہ تھی اور نہ اس نے اجازت دی تھی۔ کیونکہ ریاست ۱۰ سالہ معاہدے کی پابند ہو چکی تھی جس کی رو سے ہر طرح کا قتال اور قتال میں معاونت ممنوع ہو چکے تھے۔ ایسے میں خدانخواستہ یہ باور کیا جائے کہ ریاست کسی طرح شریک تھی تو نقض عہد لازم آئے گا جو محال ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریاست ہرگز اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

(۳) اس عظیم جہاد کی برکت سے مسلمانوں کو وہ فتح مبین ملی کہ ہجرت کا دروازہ کھلا، آمد و رفت آزادانہ بحال ہوئی اور اس کی برکت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

(۴) مسلمانوں کی کوئی جماعت ایسے وقت میں بھی یہ کام کر سکتی ہے جس وقت ریاست اور کفار جنگ بندی کا معاہدہ کر چکے ہوں بشرطیکہ وہ ریاست کی عملداری سے نکل کر کریں۔

(۵) ریاست پر لازم نہیں کہ وہ اس جماعت کو روکے۔

گویا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان تمام سوالات کا جواب ہے جو اس خودساختہ اصول کی بناء پر ہیں۔ اور اس واقعہ کا انکار کسی جدت پسند کے لئے ممکن نہیں کیونکہ اس کے سبب پھر جن واقعات کا انکار لازم آئے گا وہ گنتی سے باہر ہیں۔

اس واضح اور بیّن دلیل کے ہوتے ہوئے فقہاء کرام کی اکثریت نے اس مسئلے کو موضوع بحث ہی نہیں بنایا۔ یار لوگ بحث نہ کرنے کو دلیل بناتے ہیں کہ جائز ہوتا تو فقہاء کرام صراحت کے ساتھ لکھ دیتے۔ میں یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جہاد کے مسائل میں فقہاء کرام کا فروعی

اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ مذہب حنبلی کے مشہور امام ابوقدامہ المقدسی نے ''المغنی'' میں صراحت کردی ہے کہ امام کی عدم موجودگی میں جہاد کو موخر نہیں کیا جائے گا۔

''فان عدم الامام لم یؤخر الجهاد لان مصلحته تفوت بتاخیره''

(المغنی ۱۰/ ۳۷۴)

(اگر امام موجود نہ ہو تو جہاد کو موخر نہیں کیا جائے گا کیونکہ موخر کرنے سے اس کی مصالح اور مقاصد فوت ہوجائیں گے) اور یہ جزئیہ ''اقدامی جہاد'' کے ذیل میں منقول ہے جو کہ بالاتفاق فرض کفایہ ہے، جب وہ صورتیں پیش آجائیں جن میں فقہاء جہاد کو فرض عین قرار دیتے ہیں تو بطریق اولی یہ حکم ہوگا بلکہ احناف کے ہاں تو اس صورت میں صراحت منقول بھی ہے۔

''ان هجم العدو فیخرج الکل ولو بلا اذن'' (الدر المختار)

(اگر دشمن حملہ آور ہوجائے تو ہر ایک نکلے گا اگر چہ بلا اجازت ہو)

اسی طرح ''المغنی'' اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں یہ بحث مذکور ہے کہ اگر مسلمانوں کی ایک جماعت بلا اجازتِ خلیفہ دار الحرب میں گھس کر کارروائی کرے اور مال حاصل کرلائے تو وہ مال غنیمت کہلائے گا اور اس پر غنیمت کی تقسیم کے احکام لاگو ہوں گے اور یہ اصول معلوم ہے کہ غنیمت صرف اس مال کو کہا جاتا ہے جو شرعی جہاد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، اگر غیر شرعی طریقے سے مال لایا جائے تو اس پر غنیمت کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ جیسے سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ معروف ہے۔ ایک شخص کو کافر قرار دے کر قتل کردیا گیا تھا اور اس کا مال لوٹ لیا گیا تھا حالانکہ وہ اسلام کا اظہار کررہا تھا۔ وہ مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

عبارت ملاحظہ ہو:

''اذا دخل جماعة لهم منعة دار الحرب فأخذوا اموالا فانها تقسم قسمة الغنائم بالاجماع سواء دخلو باذن الامام او بغیر اذنه'' (بدائع الصنائع)

(اگر ایک قوت والی جماعت دارالحرب میں گھس جائے اور مال پکڑ لائے تو وہ مال بالاجماع غنیمت کے طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ برابر ہے کہ یہ جماعت امام کی اجازت سے داخل ہوئی یا بلا اجازت)

Maktab00301591750

اِستعانت

جہاد کے لئے کفار سے معاونت لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نبی کریم ﷺ نے بعض غزوات میں مشرکین کو ساتھ لے جانے سے یہ کہہ کر منع فرمادیا:

لا استعین بمشرك

(میں کسی مشرک کافر سے مدد نہیں لے سکتا)

ایسی روایات سے بعض ائمہ اسلام کا خیال ہے کہ جہاد میں کفار سے معاونت نہیں لی جاسکتی۔ البتہ جمہور کے ہاں قتال میں کفار سے کسی بھی قسم کی معاونت لینا جائز ہے اور نبی کریم ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی مواقع پر ایسا کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔

(۱) صحیح بخاری میں باب ہے بعنوان "ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر" اور اس کے ذیل میں اس شخص کا قصہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے قتال والی رات یہ فرمایا کہ یہ شخص اہل نار میں سے ہے۔ صبح جب لڑائی شروع ہوئی تو اس نے لڑائی میں بہادری کے عجیب جوہر دکھائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اہل نار میں سے ہے حالانکہ اس نے تو میدان میں خوب بہادری دکھائی اور قتل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں گیا ہے۔

لوگ یہ بات سمجھ نہیں پارہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے گواہی دی کہ یہ شخص میدان میں قتل نہیں ہوا بلکہ زخمی ہوا تھا اور پھر زخموں کی تکلیف کی وجہ سے اس نے خودکشی کرلی تھی۔ نبی کریم

ﷺ کو اس بات کی خبر دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول اور بندہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس دین کی نصرت کبھی کبھار فاجر آدمی کے ہاتھوں کرائیں گے۔ (بخاری)

روایت کے آخر میں "الا نفس مسلمة" کے الفاظ اس شخص کے مسلمان نہ ہونے کی طرف اشارہ ہیں اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اسے قتال میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(۲) نبی کریم ﷺ کے ساتھ صفوان بن امیہ نے فتح مکہ کے فوراً بعد غزوہ حنین میں شرکت کی۔ طبری اور ابن ہشام وغیرہ کی روایت میں صراحت ہے کہ وہ اس وقت مشرک تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔ اس غزوہ میں جب ابتدائی طور پر مسلمانوں کے لشکر کو ہزیمت ہوئی تو ان کے ماں شریک بھائی کلدہ بن حنبل نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا:

"آج مسلمانوں کا جادو ٹوٹ گیا"

اس پر صفوان نے اسے ڈانٹا اور کہا:

"مجھ پر قریش کا ایک فرد حاکم ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ہوازن کے زیر حکمرانی رہوں۔"

نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے صفوان بن امیہ کو انعام بھی عطا فرمایا تھا البتہ غنیمت کا حصہ نہ دیا تھا کیونکہ وہ مسلمان نہ تھے۔

(۳) نصب الرایہ میں امام زیلعی نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنو قینقاع کے یہود سے ایک غزوہ میں مدد لی اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا۔

اسی طرح ابوداؤد میں نبی کریم ﷺ سے بروایت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ منقول ہے:

"تم نصاریٰ سے ایک امن والی صلح کرو گے اور پھر تم اور وہ مل کر ایک تیسرے دشمن سے

قتال کروگے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں روایت ہے کہ

''غزا بقوم من یهود فرضخ لهم''

(انہوں نے یہود کی ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا اور انہیں (مال غنیمت میں سے) کچھ مال بطور انعام دیا۔

اسی طرح سلمان بن ربیعہ الباہلی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ''لنجر'' کے علاقے پر حملہ کیا اور اس میں مشرکین سے مدد لی اور فرمایا: مناسب ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو اللہ کے دشمنوں سے لڑایا جائے۔ (الاستیعاب)

(لنجر کا علاقہ آرمینیا میں ہے)

ان سب نصوص کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ کفار کے خلاف لڑائی میں کفار سے مدد لی جاسکتی ہے۔

''جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

کفار کو ساتھ لے کر قتال کرنا کیسا ہے؟

انہوں نے کہا:

میں نے ائمہ میں فقہاء وغیر فقہاء سب کو دیکھا کہ وہ اس عمل کو جائز قرار دیتے تھے۔ کفار کو ساتھ لے قتال کرتے تھے اور انہیں انعام واکرام دیتے تھے (المحلی۔ مصنف ابن ابی شیبہ)

مذاهب الفقهاء

فقہ حنفی کے مطابق جہاد میں کفار سے تعاون لینا علی الاطلاق جائز ہے۔

Maktaba

جواز الاستعانة بالکفار عند الحاجة وقد استعان علیه الصلوٰة والسلام بالیهود علی الیهود فرضخ لهم (حاشیہ ابن عابدین)

(ضرورت کے وقت کفار سے قتال میں مدد لینا جائز ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کے بالمقابل یہود سے مدد لی اور انہیں کچھ مال دیا)

معتبر ترین حنفی ماخذ السیر الکبیر میں لکھا ہے:

"فعرفنا انه لا بأس بالاستعانة بهم وما ذلك الا نظیر الاستعانة بالکلاب علی قتال المشرکین۔

(غزوہ حنین میں صفوان اور دیگر مشرکین کے خروج سے معلوم ہوا کہ مشرکین سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں اور اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسی کتوں سے کفار کے خلاف مدد لی جائے)

فقہ مالکی میں کفار سے اس طرح مدد لینا کہ وہ قتال میں شریک ہوں جائز نہیں البتہ خدمت لی جاسکتی ہے جیسے مورچے بنانا، قلعوں کی دیوار گرانا، گڑھے کھودنا وغیرہ۔ (الشرح الکبیر)

فقہ شافعی میں اگر کافر سے خطرہ ہو کہ ساتھ نکل کر نقصان پہنچائے گا اور شکست کا باعث بنے گا تو استعانت ناجائز ہے بصورت دیگر جائز ہے۔ (الأم)

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں دوسری جگہ رقمطراز ہیں کہ اگر کافر بخوشی نکلے تو مدد لینے میں کوئی حرج نہیں اور اسے غنیمت میں سے کچھ مال دیا جائے گا اور اگر اہل ذمہ کو حکماً اور جبراً قتال میں شرکت کا کہا جائے تو انہیں اس کی اُجرت دی جائے گی۔ (الأم)

فقہ حنبلی میں حکم ہے کہ ضرورت شدیدہ کے وقت اس شرط پر مدد لینے کی گنجائش ہے کہ وہ کفار مسلمانوں کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ دشمنی نہ رکھتے ہوں بلکہ اچھی رائے کے حامل ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک قتال میں استعانت علی الاطلاق جائز ہے۔

حنابلہ کے ہاں عندالحاجۃ اس کی گنجائش ہے جبکہ مالکیہ کے ہاں ان سے خدمات لی جاسکتی ہیں۔قتال میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں میں جہاد اور مجاہدین پر طعن کے سلسلے میں یہ عام بات ہے کہ ہر جگہ جہاد میں کسی کی معاونت یا کسی کے مقاصد ومفادات ڈھونڈ ھ کر اس پر اعتراض کی تلوار چلادیتے ہیں۔دنیا میں ہر اچھے برے کام کے ساتھ کئی لوگوں کے کئی قسم کے مفادات اور مقاصد وابستہ ہوتے ہیں۔ کیا کسی اچھے کام کے ساتھ کسی برے انسان کے مفادات وابستہ ہوجانے سے وہ ناجائز ہوجاتا ہے؟

اگر اس کلیے پر پرکھا جائے تو روزہ اور حج بھی اعتراضات سے نہیں بچ سکتے کہ ان دونوں کے ساتھ کیسے کیسے لوگوں کے تجارتی اور دیگر مفادات وابستہ ہیں اور اگر ایک کافر کے خلاف لڑنے سے دوسرے کو پہنچنے والا فائدہ یا خوشی اس لڑائی کے عدم جواز کا سبب ہے تو شاید سب سے پہلے اس کی زد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا روم کے خلاف جہاد آئے گا۔

دنیا میں اس وقت جتنی بھی معروف جہادی تحریکات ہیں مثلاً فلسطین، کشمیر، افغانستان وغیرہ ان تمام مقامات پر جہاد مسلمانوں نے خود شروع کیا۔دینی نقطہ نظر سے کیا، شرعی دلائل کی بناء پر کیا اور شرعی اصولوں کے تحت کیا۔بعد میں اگر کفار یا اسلامی ریاستوں کے اداروں کے مفادات ان سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے شرکت کرلی تو اس کی مثال اس معاونت اور استعانت کی ہے جس کا حکم شرعی آپ کے سامنے اوپر کی سطور میں تفصیل سے رکھا جاچکا اور اس میں سب سے اہم بات جو یاد رکھنے کی ہے وہ ''السیر الکبیر'' کی عبارت میں درج مثال ہے۔

اگر مسلمانوں نے کسی لڑائی کا آغاز ان کفار یا اداروں کے کہنے پر کیا ہو یا کسی جہاد کو ان کفار و اداروں کی پالیسیاں بدل جانے سے ترک کردیا ہو تو معترضین کا حق بنتا تھا کہ وہ کچھ کہتے، لیکن ایسا کسی جگہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔مجاہدین نے ان تحریکات کی بنیاد بے سروسامانی کے عالم میں

توکلاً علی اللہ تھوڑے اسباب کے ساتھ رکھی۔ اگر درمیان کے مراحل میں استعانت کی وجہ سے اسباب کی کثرت ہوئی توان سے جہاد میں ہی مدد لی اور جب پالیسیاں بدل کر انہیں معاونین نے عرصہ حیات تنگ کیا تو جہاد چھوڑا نہیں گیا بلکہ جس قدر اسباب مہیا ہو سکے انہی کو لے کر جیسے تیسے جاری رکھا ہوا ہے۔ افغانستان اور کشمیر کی تحریکیں، ان تحریکوں میں پاکستان اور امریکہ وغیرہ کے سابقہ رویے اور حالیہ یوٹرن اور ان کے مقابل مجاہدین کا طرزِ عمل اس امر کے جیتے جاگتے گواہ ہیں۔

البتہ اگر کسی کے ہاں ریاست کے خلاف خروج نہ کرنا ہی ''ٹاؤٹی'' کہلاتا ہے تو اس کا سوائے اس کے کوئی جواب نہیں:

''سلام علیکم لانبتغی الجاھلین''

❁...❁...❁

Maktab00301591750

کم سے کم مِقدار

کسی حکم پر عمل کا کم سے کم درجہ وہ ہوتا ہے جس پر عامل ہو کر انسان وعید سے بچ جائے۔

ترکِ جہاد پر قرآن و حدیث میں شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝

(۱) ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو زمین پر گرے جاتے ہو، کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو، دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔ (التوبۃ:۳۸)

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

(۲) ترجمہ: اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کرے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (التوبۃ:۳۹)

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

(۳) ترجمہ: اور تم اس فتنہ سے بچتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں پر ہی نہ پڑے گا، اور جان لو کہ بے شک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ (سورۃ الانفال آیت:۲۵)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ○ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

(۴) ترجمہ: جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہا کہ گرمی میں مت نکلو، کہہ دو کہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے، کاش یہ سمجھ سکتے۔ سو وہ تھوڑا سا ہنسیں اور زیادہ روئیں، ان کے اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں۔ سو اگر تجھے اللہ ان میں سے کسی فرقہ کی طرف پھر لے جائے پھر تجھ سے نکلنے کی اجازت چاہیں تو کہہ دو کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی ہرگز نہ نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو گے، تمہیں پہلی مرتبہ بیٹھنا پسند آیا سو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اور ان میں سے جو مر جائے کسی پر کبھی نماز نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔ (سورۃ التوبہ آیت:۸۱ تا ۸۴)

علامہ ابن النحاس شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کے نقل کے بعد مسلمانوں کو اس طرح مخاطب

فرمایا:

''اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، ان آیات مبارکہ میں غور کرو کہ جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں اور اس میں جان و مال خرچ نہ کرنے والوں کے لئے کتنی سخت وعید، کتنی بڑی رسوائی اور کتنا دردناک وبال ہے۔ یہ آیات اگرچہ کچھ خاص (منافق) لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن ان میں ان تمام اَفراد کے لئے سخت تنبیہ اور وعید ہے جو ان منافقوں جیسے کام کریں گے اور منافقوں کی طرح فرض جہاد سے پیچھے رہ جائیں گے، بس اسی سے اندازہ لگالو کہ جہاد کا چھوڑنا کتنا برا کام ہے (کہ مسلمان کو منافقوں کی صف میں شامل کردیتا ہے) وراس پر کتنی سخت وعید ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم خرید وفروخت میں مشغول ہوجاؤ گے اور گائے کی دم پکڑلو گے اور کھیتی باڑی سے دل لگالو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ (تعالیٰ) تم پر ذلت مسلط فرمادے گا اور اس وقت تک تم سے اس ذلت کو نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہیں لوٹ آؤ گے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب جہاد کو چھوڑ کر کھیتی باڑی اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں مشغول ہوں گے تو ذلت اور پستی ان کا مقدر بن جائے گی اور وہ اس ذلت سے اسی وقت چھٹکارہ پاسکیں گے جب کافروں سے جہاد کریں گے، ان سے نفرت اور سختی کا برتاؤ کریں گے، اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے اور کفر اور کافروں کو مغلوب کرنے کے لئے محنت کریں گے (یاد رکھئے) یہ سب کچھ ان کے ذمے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) لازم ہے۔'' (فضائل جہاد: ۴۲، ۴۳)

ان تمام نصوص اور ان کے علاوہ قرآن وحدیث کے کئی مقامات پر ترک جہاد پر شدید

وعیدیں وارد ہوئیں ہیں۔ایسے کئی طویل قصے قرآن مجید میں مذکور ہیں جن میں جہاد سے پہلوتہی کرنے، اس میں سستی دکھانے اور جہاد کے موقع پر تاویلات اور بہانے کرنے والے افراد کی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔قرآن مجید میں جتنے بھی غزوات کا تفصیلی تذکرہ ہے ان کے واقعہ میں مومنین اور کفار کے ساتھ ان لوگوں کا احوال اور حکم بھی بیان کیا گیا ہے جنہوں نے اس موقع پر اعراض کا رویہ اپنایا اور جہاد میں شرکت نہ کی۔ ہر موقع پر ان کی مذمت کی گئی اور انہیں شدید عذاب کی تہدید کی گئی۔البتہ دو احادیث میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ آ گیا ہے کہ ترک جہاد کی وعید اس ترک کے کس درجے کے ساتھ متعلق ہے اور دو احادیث میں یہ صراحت آ گئی کہ کس حد تک عمل کرنے لینے سے وعید سے بچا جا سکتا ہے۔وعیدیں دو ہیں اور دونوں انتہائی سخت:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: جس شخص نے نہ جہاد کیا اور نہ اس نے دل سے جہاد کی سچی نیت کی وہ نفاق کے ایک شعبے پر مرے گا۔(مسلم)

پہلی وعید یہ ہوئی کہ اسے ایمان کامل پر نہیں بلکہ نفاق کے ایک درجے پر موت آئے گی اور یہ مسئلہ قرآن مجید کی کئی آیات سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ مومن کا ایمان نظریہ جہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس لئے قرآن مجید میں نفاق کا سارا موضوع ہی آیات جہاد کے گرد گھومتا ہے۔ اس حدیث میں بھی یہ ارشاد بطور تفسیر وارد ہوا کہ کم از کم سچے دل سے جہاد کی نیت رکھنا ایمان کی تکمیل کے لئے لازم ہے اور یہ مسئلہ بھی خود قرآن نے حل کر دیا کہ نیت کے سچے ہونے نہ ہونے کی علامت کیا ہے؟

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً

ترجمہ: اور اگر نیت رکھتے (جہاد میں) نکلنے کی تو ضرور اس کے لئے تیاری رکھتے۔

(التوبۃ:۴۶)

بقدر استطاعت جہاد کی تیاری رکھنے کو نیت کی سچائی کی علامت کے طور پر خود اللہ رب

العزت نے متعین فرمادیا۔ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جس قدر استطاعت ہو اتنی جسمانی ومادی تیاری رکھے اور دل میں سچائی کے ساتھ جہاد کی نیت رکھے تاکہ اس شدید وعید سے بچ سکے۔ ایک مسلمان کے لئے ایمان کامل کے حصول سے بڑھ کر کوئی ہدف نہیں اور ایمان کامل سے محرومی سے بڑھ کر کوئی وعید نہیں۔

۲ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خود بھی جہاد نہ کیا اور نہ کسی مجاہد کو سامان جہاد فراہم کیا اور نہ کسی مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال کی اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے اسے کسی دردناک مصیبت میں مبتلا فرمادے گا۔ (ابوداؤد)

یعنی اولین درجہ خود جہاد میں عملی شرکت کرنا ہے، اوسط درجہ مجاہد کو سامان جہاد فراہم کرنا اور ادنی درجہ مجاہد کے گھر کی دیکھ بھال اور کفالت کرنا ہے۔ جس نے ان میں سے کسی درجے پر بھی عمل نہ کیا اس کے لئے وعید ہے ''اصابه الله بقارعة قبل یوم القیامة''......

اللہ تعالیٰ اسے ''قارعۃ'' میں مبتلا کردے گا۔ ''قارعۃ'' کس درجے کی مصیبت کو کہا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ قرآن مجید میں قیامت کو ''القارعۃ'' کہا گیا ہے۔

اس امر کو دونوں طرح ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں وعید کے انداز میں اور دوسری روایت میں وعید کے الفاظ نہیں البتہ جہاد میں شرکت کے درجات کو اسی ترتیب سے واضح کیا گیا ہے۔

''جس شخص نے کسی غازی کو سامان جہاد فراہم کیا اس نے بھی جہاد میں شرکت کی اور جس نے کسی غازی کے پیچھے اس کے گھر بار کی کفالت کی اس نے بھی جہاد میں شرکت کی۔ (متفق علیہ)

یہ ہیں جہاد میں شرکت نہ کرنے پر سخت وعیدیں اور وہ کم سے کم درجہ جس پر عمل پیرا ہو کر وعید سے بچا جاسکتا ہے۔

Maktaba...

اَلدعوۃ قبل القِتال

قتال سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت کا کیا حکم ہے؟......

اس بارے میں فقہاء کے تین مسالک ہیں:

(۱) کفار کو قتال سے پہلے دعوت دینا لازم ہے انہیں پہلے دعوت پہنچ چکی ہو یا نہیں۔ یہ قول امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور ان کی دلیل وہ معروف روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لشکروں کی روانگی کے وقت ان کے امراء کو کی جانے والی وصیتوں کا ذکر ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر سریہ کے امیر کو یہ تاکید فرمانا کہ کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو جزیہ دے کر مسلمانوں کی رعایا بن رہنے کی دعوت دینا اور اگر اسے بھی قبول نہ کریں تو قتال کرنا، اسی طرح غزوہ خیبر کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جھنڈا سپرد کرتے ہوئے یہی تاکید فرمائی۔ یہ تاکید دلیل ہے کہ ہر جنگ سے پہلے دعوت لازم ہے اور اس میں دعوت پہنچ چکے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی فرق نہیں۔

(۲) دعوت دینا لازم نہیں پہلے سے پہنچ چکی ہو یا نہیں۔

ان فقہاء کرام کی دلیل صحیحین کی یہ روایت ہے:

''ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے نافع کو خط لکھ کر قتال سے قبل دعوت کا حکم دریافت کیا۔

انہوں نے فرمایا:

یہ دعوت اوّل اسلام میں لازم تھی۔ (بعد میں نہیں رہی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی

مصطلق پر بے خبری کے عالم میں حملہ کیا۔ وہ غافل تھے اور ان کے مویشی پانی پی رہے تھے۔ مجھے یہ بات عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتائی اور وہ خود اس لشکر میں شامل تھے"......(متفق علیہ)

نصب الرایہ میں امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حازمی نے الناسخ والمنسوخ میں لکھا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ان روایات کے لئے ناسخ ہے جن میں دعوت کے وجوب کا ذکر ہے۔ یہ روایت اس مسئلہ میں صریح ہے کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ دعوت کا لزوم اول اسلام میں تھا"

(نصب الرایہ ج ٣ ص ٣٨٢)

﴿٣﴾ جن کفار تک دعوت پہنچ چکی ہو انہیں دعوت دینا لازم نہیں، مستحب ہے۔ البتہ جنہیں نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دینا لازم ہے۔

یہ مذہب جمہور فقہاء کا ہے۔

امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر ان کفار کو دعوت نہ پہنچی ہو تو لشکر مسلمین پر لازم ہے کہ انہیں دعوت دے اور ان سے دعوت کے بغیر قتال کرنا ناجائز ہے"......

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"اور اگر انہیں دعوت پہنچ چکی ہو تو جائز ہے کہ بغیر تجدید دعوت کے قتال کا آغاز کر دیں۔ البتہ باوجود اس کے افضل یہ ہے کہ قتال سے پہلے دعوت کی تجدید کر لیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ قتال سے پہلے ان کفار کو بھی دعوت دیا کرتے تھے جنہیں پہلے دعوت دی جا چکی ہوتی تھی۔" (بدائع الصنائع)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’کفار کو اسلام اور جزیہ کی دعوت دینا اسی صورت میں لازم ہے کہ انہیں پہلے سے دعوت نہ پہنچی ہو البتہ جب پہنچ چکی ہو، تو انہیں دعوت دیے بغیر قتال کرنا جائز ہے‘‘……

اسی ذیل میں آگے فرماتے ہیں:

’’ولا اعلم احدا لم تبلغه الدعوة اليوم الا ان يكون عن وراء عدونا الذين يقاتلون امة من المشركين‘‘ (الأم)

(میرے علم کے مطابق اس زمانے میں کوئی کافر قوم ایسی نہیں جسے دعوت نہ پہنچ چکی ہو۔ الا یہ کہ مشرکین کی کوئی ایسی جماعت ہو جو ہم سے قتال کرنے والے دشمنوں کے پیچھے رہتی ہو اور اس تک دعوت نہ پہنچ سکی ہو)

یہ امام المسلمین امام شافعی رحمہ اللہ اپنے زمانے کا احوال بیان فرمارہے ہیں جس میں نہ ذرائع ابلاغ اس قدر عام تھے اور نہ وسائل آمدورفت اس قدر تیز۔ اس جزیئے سے ہم اپنے زمانے کا حکم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ یہ تینوں آراء مسلمانوں کے کفار پر حملہ کرنے کی صورت پر مبنی ہیں۔ اگر کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو باجماع امت انہیں دعوت دیئے بغیر ان سے قتال کیا جائے گا۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ کی معروف کتاب السیر الکبیر اور اس کی شرح میں لکھا ہے:

’’ولو ان قوما من اهل الحرب لم يبلغهم الاسلام ولا الدعوة اتوا المسلمين في دارهم فقاتلهم المسلمون بغير دعوة ليدفعوا عن انفسهم وسبوا واخذوا اموالهم فهذا جائز۔ لان المسلم لو شهر سيفه على مسلم حل للمشهور عليه سيفه قتله للدفع فهاهنا اولىٰ‘‘ (شرح السیر الکبیر)

(اور اگر اہل حرب کا کوئی لشکر جنہیں اسلام کی خبر اور دعوت نہ پہنچی ہو۔ مسلمانوں کے علاقے میں آجائے اور مسلمان ان سے دعوت دیئے بغیر اپنے دفاع کے لئے لڑیں اور

انہیں قتل کریں۔قید کرلیں،ان کے اموال حاصل کرلیں تو یہ جائز ہے۔اس لئے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان پر حملہ آور ہو تو جس پر حملہ کیا گیا ہے وہ اپنے دفاع کے لئے اس حملہ آور مسلمان کو قتل کرسکتا ہے تو یہاں (کافر کے حملے کی صورت میں) یہ بطریق اولی جائز ہوگا)

''بخلاف ما اذا کانوں یغزون فی بلادھم الخ'' (السیر الکبیر)

(بخلاف اس کے کہ جب مسلمان اُن کے علاقوں پر حملہ آور ہوں گے تو دعوت لازم ہو گی)......

Maktab00301591750

تربیت

جہاد کی تربیت کرنا اور آلات جہاد کا تیار رکھنا مستقل حکم شرعی ہے اور قرآن مجید میں اس کا امر وارد ہوا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: اور ان سے لڑنے کے لیے جو کچھ قوت سے اور صحت مند گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر رعب پڑے، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے، اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے تمہیں (اس کا ثواب) پورا ملے گا اور تم سے بے انصافی نہیں ہوگی۔

(سورۃ الانفال آیت:٦٠)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو چیزیں تیار رکھنے کا حکم فرمایا:

١ قوۃ:

اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

"الا ان القوۃ الرمی"

(قوت پھینک کر مارنا ہے)

یوں تو ہر طرح کا جنگی سامان تیار رکھنا اور اس کی مکمل تربیت حاصل کرنا اس آیت کا مصداق ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی تشریح کے سبب "الرمی" یعنی دور سے پھینک کر مارے جانے والے اسلحہ کو اس میں خاص مقام حاصل ہے اور اس کی تاکید احادیث مبارکہ میں زیادہ وارد ہوئی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"امر اللہ سبحانہ المومنین بأعداد القوۃ للاعداء... وکل ما تعدہ لصدیقك من خیر او لعدوك من شر فھو داخل فی عدتك"

(اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دشمنوں کے مقابل قوت تیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہر وہ چیز جو آپ اپنے ساتھیوں کی بھلائی اور دشمنوں کو ضرر پہنچانے کے لئے تیار کریں گے وہ اس تربیت میں شامل ہے)

(۲) گھوڑے باندھنا:

گھوڑا زمانہ قدیم کے جہاد میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا اور میدان جنگ میں لشکروں کی فتح وشکست کا مدار گھڑسواروں کی کروفر پر ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کی اس خصوصی حیثیت کے پیش نظر مال غنیمت میں گھڑسوار کا حصہ پیدل فوجی سے دگنا رکھا گیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور حملوں کی قسمیں قرآن مجید میں کھائی گئیں ہیں اور گھوڑنے باندھنے کا تاکیدی حکم اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا۔ آج کے زمانے میں اگرچہ جنگ میں گھوڑے کی شرکت کے وہ امکانات ومفادات نہیں رہے۔ البتہ عملی جہاد میں گھوڑے کا کردار نہ رہنے یا کم ہو جانے سے یہ حکم اور اس کی اہمیت کم نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس حکم اور فضیلت کو قیامت تک جاری فرما دیا۔

"الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الاجر والمغنم الی یوم القیامۃ" (صحیح مسلم)

(گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک خیر باندھ دی گئی ہے یعنی اجر اور غنیمت)

اور اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ تربیت جہاد میں گھوڑے کا کردار جیسا زمانہ

ماضی میں تھا آج بھی ہے۔ جہاد میں شرکت کے لئے ایک انسان کو جس قدر جسمانی اور قلبی مضبوطی درکار ہوتی ہے اس کے حصول کا گھڑ سواری سے بہتر ذریعہ آج بھی کوئی نہیں۔ چونکہ تربیت جہاد کا حکم قیامت تک کے لئے ہے اور گھوڑے کا اس میں کردار ہمیشہ رہے گا اس لئے گھوڑے باندھنے کا حکم اور فضیلت بھی ہمیشہ کے لئے ہے۔

(گھوڑا پالنے اور رمی کرنے کے فضائل تفصیلاً فضائل جہاد میں ملاحظہ کر لئے جائیں)

آگے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت جہاد کے حکم شرعی کی بات کی ہے:

''وتعلم الفروسية واستعمال الاسلحة فرض كفاية وقد يتعين''

(الجامع الاحکام ج ۸، ص: ۳۵)

(گھڑ سواری اور اسلحہ سیکھنا فرض کفایہ ہے اور بعض حالات میں فرض عین بھی ہو جاتا ہے)

یعنی جس زمانے میں جو حکم جہاد ہوگا وہی حکم تربیت کا بھی ہوگا۔

فقہ کا مشہور و مسلم کلیہ ہے:

''مالا يتم الواجب الا به فهو واجب''

(واجب کی ادائیگی جس عمل پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے)

فرضیت جہاد کی بحث پیچھے بالتفصیل گزر چکی ہے اور جہاد کی ادائیگی تربیت پر موقوف ہے۔ اس اصول کلی کی رو سے بھی تربیت جہاد کا حکم واضح ہے۔

حضرات علماء کرام نے تربیت جہاد کے وجوب پر ان روایات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں تیر اندازی سیکھ کر بھلا دینے پر شدید وعید آئی ہے۔ اگر یہ کام واجبات میں سے نہ ہوتا تو اس کے ترک یا بھلا دینے پر وعید وارد نہ ہوتی۔

بہرحال کفار کے مقابلے کے لئے خود کو جسمانی طور پر مستعد اور مادی اعتبار سے تیار رکھنا اللہ

تعالیٰ کے تاکیدی احکام میں سے ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ نبی کریم ﷺ کی اس پر خصوصی توجہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا، فضائل بیان فرمائے، ترک پر وعیدیں سنائیں، شوق دلانے کی خاطر مقابلہ بازی کا رجحان پیدا کیا اور مسابقین کو انعامات سے نواز کر حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے صحابہ کرام کو خاص عسکری فنون کے حصول کے لئے دوسرے علاقوں میں بھی بھیجا۔ رہا اس کا شرعی و فقہی حکم تو وہ اوپر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں آچکا ہے۔

۞...۞...۞

Maktab00301591759

جہادِ اصغر، جہادِ اکبر

جہاد اصغر کیا ہے اور جہاد اکبر کون سا ہوتا ہے؟

اس بحث کو چھیڑنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن وحدیث کی واضح بلکہ واضح ترین نصوص سے یہ مضمون صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اعمال میں افضل ترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

قرآن مجید کی جن آیات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے اوران کے الفاظ اوران کا شان نزول ثابت کرتے ہیں کہ ان آیات میں جہاد کو افضل ترین عمل کہا گیا ہے وہ تین ہیں:

(١) لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ: مسلمانوں میں سے جولوگ کسی عذر کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے بیٹھنے والوں پر جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑھا دیا ہے، اگر چہ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ معاف

کرنے والا رحم کرنے والا ہے"۔(سورۃ النساء:۹۵۔۹۶)

اس آیت میں مجاہدین کے عملِ جہاد کو"قاعدین"یعنی پیچھے رہنے والوں کے تمام اَعمال پر فوقیت دی گئی اور"لایستوی" کے الفاظ سے واضح کردیا گیا کہ پیچھے والوں کا کوئی عمل جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اس سے افضل ہو۔آیت کے پہلے حصے میں برابری کی نفی ہے۔دوسرے حصے میں مجاہد کی"درجے"میں فضیلت کا اعلان ہے اور تیسرے حصے میں"اجر" کی فضیلت کا ذکر۔اور اگلی آیت میں بتایا گیا کہ درجے کا فرق بھی معمولی نہیں بلکہ"درجات" کا فرق ہے اور مجاہد کے لئے مغفرت اور رحمت کے اس خصوصی وعدے کا بھی اعادہ ہے جو دیگر درجنوں آیات میں فرمایا گیا۔

(۲) اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○

ترجمہ:"کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کردیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں لڑا۔اللہ کے ہاں یہ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے،اللہ کے ہاں ان کے لئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں،انہیں ان کا رب اپنی طرف سے مہربانی اور رضامندی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں انہیں ہمیشہ آرام ہوگا"۔(سورۃ التوبہ:۱۹ تا ۲۱)

اس آیت کے شانِ نزول میں امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ تعالیٰ اور مفسرین کرام نے اپنی

کتب میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ مسجد نبوی میں ''روضہ'' والے حصے میں تین صحابی بحث کررہے تھے۔ایک کا کہنا تھا کہ میرے خیال میں اسلام لانے کے بعد سب سے بہتر عمل حجاج کرام کی خدمت کرنا اوران کے لئے پانی راحت وغیرہ کا انتظام کرنا ہے،دوسرے کا خیال تھا کہ مسجد حرام میں ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہنے سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں اور تیسرے کا خیال تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ سب سے افضل عمل ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ کر خاموش کرایا اور کہا کہ اس معاملے میں رائے کا کیا دخل؟اس لئے بحث نہ کریں۔ابھی حضور ﷺ تشریف لائیں گے ان سے معلوم کرلینا۔اتنے میں آپ ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ سے تشریف لائے اوران کے سامنے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی۔ان آیات میں بھی سورۃ النساء والی آیت کے مطابق پہلے برابری کی نفی ہے اور آگے جہاد کی افضلیت اور مجاہد کے درجات،مغفرت اور رحمت کے خصوصی وعدے ہیں۔

﴿٣﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○

ترجمہ:''اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے جو کہو اس کو کرو نہیں۔بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔(سورۃ الصف:٢،٤)

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین عمل کا سوال کیا گیا اس پر یہ پوری سورت بیک وقت نازل ہوئی۔

(ان تینوں آیات کی تفصیلی تفسیر اور معارف کے لئے ''فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد'' کا مطالعہ فرمالیجئے)

روایات کے ذخیرے میں اس باب میں سب سے واضح روایات بخاری ومسلم میں اس عنوان سے مذکور ہیں کہ ایک شخص نے مجلس میں حاضر ہوکر سوال کیا:

''دلنی علی عمل یعدل الجهاد فی سبیل الله''

(مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو؟)

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے اس کے بار بار سوال کے جواب میں یہی فرمایا:

''لا اجده''

(میں ایسا کوئی عمل شریعت میں نہیں پاتا)

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں ''لا اجدہ'' سے بحث ہی ختم ہوگئی۔

اور ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

''لا تستطیعونه''

(اور تم ایسا عمل کرنے کی قوت واستطاعت نہیں رکھتے)

اور پھر اس کے بار بار سوال پر تفصیل ارشاد فرمائی:

''مجاہد کی مثال اس روزے دار اور نماز میں مشغول شخص کی سی ہے جو نہ کبھی روزہ قطع کرے اور نہ نماز حتی کہ اللہ کے راستے میں نکلا ہوا مجاہد گھر کو لوٹ آئے''......

گویا اس میں تعلیق بالمحال فرمادی کہ اگر بالفرض کوئی شخص ایسا عمل کرے کہ مجاہد کے گھر سے جہاد کے لئے نکلتے ہی نماز اور روزے کی نیت کرکے ان اعمال کو شروع کردے اور مجاہد کے لوٹنے تک ان میں لگا رہے تو شائد اس کا عمل جہاد کے برابر ہوسکے اور ایسا کرنا کسی کے بس میں ہی نہیں اس لئے جواب وہی ہے کہ ایسا کوئی عمل ہے ہی نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صحابہ کا سوال ایسے عمل کا تھا جو جہاد کے برابر ہوسکے نہ کہ اس سے افضل۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی واضح نصوص کے بعد گویا ان کے ذہن میں یہ خیال

ہی باقی نہ رہا تھا کہ کوئی عمل اس سے افضل بھی ہوسکتا ہے۔معلوم ہوا کہ جہاد سے افضل عمل ڈھونڈ نا اور گھڑ نا بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔

انہی واضح نصوص کی بناء پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''لا نعلم شیئاً من ابواب البر افضل من السبیل (یعنی الجہاد) وذکر له امرا بعدو فجعل یبکی ویقول ما من اعمال البر افضل منه...الی...قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده ما بین السماء والارض من عمل افضل من جهاد فی سبیل الله'' (المغنی)

(ہم نیکی کے کاموں میں جہاد سے افضل کسی عمل کو نہیں جانتے۔اور امام صاحب کے سامنے دشمن کے مقابلے کا ذکر کیا گیا وہ رونے لگے اور فرمایا: نیکی کے کاموں میں اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔آگے چل کر فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے آسمان و زمین کے درمیان کوئی عمل جہاد سے افضل نہیں......)

اب آیئے اس مسئلے کی طرف جو جہاد پر معترضین کی نظر میں سب سے بڑا اعتراض ہے اور اس کی اہمیت و عظمت کم کرنے کے لئے ایک مسلمان کے ذہن پر سب سے بڑا وار یہی کیا جاتا ہے۔

ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔صحابہ کرام نے سوال کیا یا رسول اللہ! بڑا جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نفس کی مخالفت کرنا......

اس واقعہ کو بنیاد بنا کر قتال فی سبیل اللہ کو چھوٹا جہاد اور ایک بے نام غیر متعین عمل کو بڑا جہاد کہہ کر دعوت دی جاتی ہے کہ چھوٹا جہاد چھوڑ یئے اور بڑا جہاد کیجئے۔

اسے بالکل صحیح درجے کی روایت مان لیا جائے تو بھی دو باتیں غور طلب ہیں۔

(۱) کیا اس روایت سے ایسا مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے جو قرآن مجید کی واضح نصوص اور اس سے ہر طرح قوی روایات سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے؟ اصول کی رو سے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ محدثین کرام نے ان نصوص کی بناء پر ہر اس صحیح روایت میں بھی تاویل کی ہے جس میں کسی عمل کو جہاد سے افضل یا خیر بتایا گیا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ایسی تمام صحیح روایات کو مخصوص اشخاص کے ساتھ خاص بنایا ہے عام حکم وہی ہے جو نصوص میں مذکور ہے۔ (شرح النووی جلد ا ص ۴۲۹/۴۳۰)

اور ابن حجر رحمہ اللہ ہر جگہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں ''من'' کا لفظ محذوف ہے یعنی وہ اعمال بتائے گئے جو فضیلت والے ہیں ان کی باہمی تفضیل موضوع نہیں۔ (فتح الباری)

تو جس طرح محدثین کرام نے دیگر صحیح روایات میں تاویل کی ہے یہاں بھی ہوگی۔

(۲) اس مقولے میں ''جہاد'' اپنے شرعی معنی قتال میں تو مراد نہیں ہوسکتا، یقیناً لغوی معنی مشقت اور تکلیف مراد ہیں۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ ''جہاد اکبر'' وہ عمل ہے جس میں نفس پر مشقت دوسرے اعمال کی نسبت زیادہ ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی بھی مطلب ممکن نہیں۔ اب اس معنی پر خود فیصلہ کیجئے کہ ''جہاد اکبر'' کون سا عمل ہوا؟......

ہر انسان اپنے نفس پر تمام دینی اعمال کو پیش کرتا جائے اور خود اپنے نفس سے ہی پوچھ لے کہ اس کے لئے سب سے مشقت، مشکل اور خطرے والا عمل کون سا ہے اور نفس سب سے زیادہ کس کام سے روکتا ہے؟......بسم اللہ کیجئے اور اپنے نفس سے ہی فیصلہ لے لیجئے خود اپنے مفتی بن جائیے۔

ہر جگہ جھوٹ بولنے والا نفس، یہاں جھوٹ نہ بول سکے گا کہ جہاد اکبر یعنی بڑی مشقت قتال فی سبیل اللہ میں ہی ہے۔

اس حوالے سے چند اصولی باتیں سمجھ لیں:

(۱) یہ بات اور واقعہ حدیث کے موضوع پر اب تک لکھی جانے والی کسی چھوٹی بڑی کتاب میں مذکور نہیں۔

(۲) احیاء العلوم کی تالیف سے پہلے تک اس کا ذکر سلف کی نہ کسی کتاب میں آیا اور نہ کسی نے اسے نقل کیا۔

(۳) اس روایت کی جتنی بھی اسناد ہیں سب موضوع ہیں اور اس بات پر ائمہ جرح وتعدیل کا گویا اجماع ہے۔ صرف ایک سند جو موضوع نہیں لیکن صحیح یا حسن درجے کی بھی نہیں شاذ درجے کی ہے امام بیہقی سے منقول ہے لیکن امام بیہقی نے اپنی مشہور تالیفات السنن الکبری، السنن الصغری وغیرہ میں اسے ذکر نہیں کیا بلکہ ایک انتہائی غیر معروف تالیف ''الزہد'' میں نقل کی۔ اس سے خود ان کی نظر میں بھی اس کا مقام واضح ہے۔

(۴) ایک ایسے عمل کا اَسلاف امت اور علماءِ متقدمین میں بالکل ذکر ہی نہ ہونا جو جہاد سے بھی افضل تھا بالکل غیر ممکن بات ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہوتی تو امت میں عام ہوتی اور خیر القرون میں رواج پاتی۔

(۵) جس عمل کو جہاد اکبر کہا گیا وہ مجہول ہے۔ نفس کی مخالفت تو ہر عمل میں ہے۔ یہاں کون سا مراد ہے؟

(۶) ایک ایسے غزوے سے واپسی پر یہ فرمایا گیا (بالفرض) جس میں نہ نکلنے والوں پر عموماً حکم نفاق لگایا گیا اور جو مخلصین نہیں نکلے تھے انہیں سخت سزا دی گئی۔ چھوٹے جہاد کے ترک پر یہ سخت معاملہ ہوا تو اس کے مقابل جسے بڑا جہاد کہا گیا اس کے تارکین کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور ان کے لئے کیا وعید آئی؟......

یہ سارے سوالات ہیں جو یہ بات نقل کرنے والوں پر قرض ہیں۔ اور اگر علی سبیل التسلیم

اب آیئے سودا کرتے ہیں:

مجاہدین قتال کے عادی ہو چکے ہیں اور یہ ان کے لئے آسان ہو چکا ہے جبکہ واپس آنا اور دوسرے کام کرنا انہیں مشکل لگتا ہے۔ان کے لئے بڑی مشقت واپس آنا ہے اس لئے انہیں واپس بلاتے ہیں اور یہ قصہ نقل کرنے والوں کے لئے یقیناً بڑی مشقت جہاد کی تربیت کرنا اور عملاً جہاد میں شرکت کرنا ہے لہٰذا وہ جہاد اکبر کریں اور اللہ کے راستے میں نکلیں۔

اگر اس روایت پر ایمان ہے تو یہ سودا قبول کرنے میں آپ کو ذرا بھی عذر نہ ہونا چاہیے اور اگر عذر ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے آپ خود اسے نہیں مانتے۔جواب قرض ہے مجھے نہ دیں اپنے آپ سے ضرور پوچھ لیں۔بھلا اس عمل سے بڑھ کر پرمشقت عمل بھی کوئی ہوسکتا ہے جسے فرض کرنے کے ساتھ ہی ''**وھو کرہ لکم**'' کہہ دیا گیا تھا......

❁...❁...❁

Maktab003015917730

جاھدوا باموالکم

قرآن مجید میں جہاد کا حکم دو چیزوں سے دیا گیا اور اکثر مواقع پر جہاد کا ذکر اسی طرح وارد ہوا ہے کہ اپنے اموال اور اپنی جان جہاد میں خرچ کرو۔ جہاد امر اجتماعی ہے، اس کے لئے جماعت سازی اور اس جماعت کو امارت اور اطاعت کے نظام پر قائم کرنا کس قدر ضروری ہے اس کا اندازہ قرآن مجید میں بیان فرمودہ دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد عمالقہ سے جہاد۔ اس کا ذکر سورۃ البقرہ میں دو رکوع کے اندر تفصیل کے ساتھ وارد ہے۔

(۲) غزوۂ اُحد

ان دونوں واقعات میں جہاد کا پورا عملی نظام سمجھایا گیا اور نتائج سے واضح کیا گیا کہ کن امور کی فراہمی فتح کی ضامن ہے اور کہاں کمزوری کا آنا نتیجہ کو بدل ڈالتا ہے۔

ترتیب کی ابتداء نظریہ سازی سے ہے۔

زندگی موت کا فلسفہ عملی مثال کے ساتھ سمجھا کر یہ رکاوٹ دور کردی گئی کہ نفس یہ سمجھا کر پاؤں باندھ دیتا ہے:

''جہاد میں موت ہے''......

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں نکلنے کے بغیر ہی ساری قوم کو موت سے دوچار کردیا پھر زندہ کردیا تاکہ سمجھ جائیں زندگی موت کا تعلق جہاد میں نکلنے، نہ نکلنے سے نہیں۔

یہ مرحلہ مکمل ہوا تو آگے جان و مال کی قربانی پر آمادہ کیا گیا اور سامان جہاد کی فراہمی کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم آیا۔ اللہ تعالیٰ کو پوری قدرت ہے چاہتے تو اسباب جہاد غیب سے فراہم کر دیتے۔ جس طرح آسمان سے فرشتے اور نصرت کے دیگر سامان اُتر سکتے ہیں، سامان جہاد بھی مہیا ہوسکتا تھا مگر اس کی فراہمی کے لئے مالی قربانی کو بھی جہاد کے عمل کا حصہ بنا کر بندوں پر لازم کرایا گیا۔ اس لئے بنی اسرائیل کو بھی نظریہ سازی کے بعد متصلاً حکم آیا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً

''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھا، پس وہ اسے اس کے لئے بڑھا دے کئی گنا''

(البقرۃ:۲۴۵)

مال دینا چونکہ مشکل کام ہے اس لئے یہ فلسفہ بھی انسانی فطرت کے مطابق کر کے سمجھا دیا گیا کہ یہ مال جو خرچ کیا جا رہا ہے اپنے نفع کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ محتاج نہیں۔ اس کا خرچ نہ کرنا انسان کو ہلاکت میں مبتلا کر سکتا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

''اور خرچ کرو جہاد میں اور اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو'' (البقرۃ:۱۹۵)

یہ مال بطور قرض لیا جا رہا ہے اور قرض کا عنوان یہ باور کرانے کے لئے دیا گیا کہ اس کی واپسی یقینی ہے اور پھر واپسی برابر سرابر نہیں بلکہ سینکڑوں گنا بڑھا کر۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝

''اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس ایک دانے کی ہے جو سات بالیں اگائے، ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والے کامل علم والے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ۔آیت ۲۶۱)

اور درجنوں صحیح احادیث ان پر مستزاد......

ساتھ ساتھ مال خرچ نہ کرنے پر سخت وعیدیں......

اس طرح یہ مشکل کام آسان کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے لئے جہاد کے اسی طریقے کو پسند فرمایا کہ یہ اپنے مال سے اسباب فراہم کر کے لڑے اور جان کے ساتھ مال خرچ کرنے کا اجر پائے۔

اس لئے غزوات کے موقع پر اپنی چادر مبارک پھیلا کر مسلمانوں سے مال طلب فرمایا۔ مال خرچ کرنے والوں کو بڑی بڑی بشارتوں سے نوازہ اور روکنے والوں کو وعید دی۔ پہلے گزر چکا کہ نبی کریم ﷺ سے ایسا عمل پوچھا گیا جو جہاد کے برابر ہو سکے۔ آپ ﷺ نے اس کے وجود کی نفی فرمائی، البتہ جہاد میں مال خرچ کرنے کو (خواہ وہ سامان جہاد کی فراہمی کے لئے ہو یا مجاہدین کے گھروں کی کفالت کے لئے) جہاد کرنے جیسا عمل قرار دیا۔

''جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے کے مجاہد کو سامان جہاد فراہم کیا اس نے جہاد کیا اور جس نے غازی کے گھر بار کی بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال کی اس نے بھی جہاد کیا'' (مسلم)

اور یہ بھی گزر چکا کہ ایک مومن کے لئے جہاد میں شرکت کا وہ کم از کم درجہ جو وعید سے مامون کر دے یہی ہے کہ وہ کسی غازی کو سامان جہاد فراہم کرے یا اس کے اہل خانہ کی کفالت کرے۔ (جہاد میں مال خرچ کرنے کے تفصیلی فضائل کے لئے مطالعہ کیجئے ''فضائل جہاد'' (مصنفہ حضرت مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ)

۞...۞...۞

وانفسکم

دوسری چیز جس سے جہاد کا حکم دیا گیا وہ جان سے جہاد کرنا یعنی قتال میں عملی شرکت کرنا ہے۔اس کا حکم شرعی گزر چکا۔فضائل بے شمار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو جنت کا ثمن اور قیمت قرار دیا۔اس پر مغفرت کا یقینی وعدہ فرمایا۔اس میں جان بچا کر لوٹ آنے والے کے لئے اجر عظیم کے وعدے،فتوحات کی بشارتیں،ایک ایک قدم پر اجر وثواب کے انمول خزانے اور اپنی رضاء کی خوشخبریاں عطاء فرمائیں۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

ترجمہ: مدینہ والوں اور اُن کے آس پاس دیہات کے رہنے والوں کو یہ مناسب نہیں تھا کہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو اُس کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں۔یہ اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا ماندگی کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں جو کافروں کے غصہ کو بھڑکائے اور یا کافروں

سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں ہر بات پر ان کے لیے عمل صالح لکھا جاتا ہے، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو وہ تھوڑا یا بہت خرچ کرتے ہیں یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کے لیے لکھ لیا جاتا ہے تا کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے۔" (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۰، ۱۲۱)

اور جو اپنی جان وار دے اُس کے لئے جو انعامات ہیں ان کا تصور ہی ایک مومن کو دیوانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ ایسی موت جس کی تمنا خود امام الانبیاء، سرور کونین ﷺ نے فرمائی اور اسکا بدلہ ایسی زندگی جس کی کیفیات کو رب العالمین نے اپنے کلام کا حصہ بنا دیا۔ ایک آیت اور ایک حدیث سے اندازہ لگانے کی کوشش کیجئے۔

تفصیلی تذکرہ فضائل جہاد میں ملاحظہ کرلیا جائے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے اس پر خوش ہونے والے ہیں اور ان کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لئے کہ نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے کہ اللہ ایمانداروں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتا۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱)

حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

شہید کے لئے اللہ (تعالیٰ) کے ہاں چھ خصوصی انعامات ہیں:

(۱) خون کے پہلے قطرے کے ساتھ اُس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور جنت میں اس کا مقام اس کو دکھلا دیا جاتا ہے

(۲) اسے عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے

(۳) قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہتا ہے

(۴) اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے

(۵) بَہتَّر (۷۲) حورعین سے اس کا نکاح کرادیا جاتا ہے

(۶) اور اس کے اقارب میں سَتَّر کے بارے میں اُس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

(ترمذی، مصنف عبدالرزاق، ابن ماجہ)

Maktab003015917750

دَعوتِ جہاد

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے جہاد کے بارے میں دو حکم دیئے گئے:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ

(۱) پس قتال کیجئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں، نہیں ذمہ آپ پر مگر اپنی جان کا۔

(۲) اور ایمان والوں کو اُبھاریئے۔ (سورۃ النساء آیت ۸۴)

اور سورۃ الانفال میں بھی یہی حکم دیا گیا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ.

''اے نبی! ایمان والوں کو قتال پر اُبھاریئے۔'' (الانفال آیت ۶۵)

جہاد چونکہ نفس انسانی پر سب سے شاق عمل ہے اس لئے اس پر تیار رکھنے اور رہنے کے لئے مسلسل ترغیب کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس پر تحریض کا ہر طریقہ بروئے کار لایا۔ امر بھی ہے، ترغیب بھی، ترہیب بھی، فضائل بھی، مظلوم مسلمانوں کی پکار بھی، **تخجیل** بھی اور تذلیل بھی۔ غرضیکہ ہر وہ اسلوب اختیار کیا گیا جو مومن کے مزاج پر اثر انداز ہوسکتا ہو اور اسے اس مشکل کا بار اٹھانے پر آمادہ کر سکے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی حکم خداوندی کی تعمیل میں ہر انداز سے تحریض اور دعوت دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے لوگوں کو مستقل اس کام پر مامور فرمایا جو اس کی صلاحیت رکھتے تھے حتیٰ کہ دوران قتال بھی یہ سلسلہ جاری رہا کرتا اور جہاد کے داعی عین معرکہ قتال کے وقت بھی اس میں مشغول رہا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اسلامی معاشرے کے

لئے دعوت جہاد کو لازمی جز و بنایا اور اس کا عام فائدہ یہ ارشاد فرمایا کہ اسلامی معاشرہ اگر نظریہ جہاد سے سرشار اور دعوت جہاد سے آباد رہے گا تو:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

''قریب ہے اللہ تعالیٰ کفار کی جنگ کو روک دے۔'' (النساء: ۸۴)

یعنی ایسا معاشرہ کفار کی دستبرد سے محفوظ رہے گا اور کفار اس پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کر سکیں گے، گویا دعوت جہاد کا فروغ ایک مسلم معاشرے کے لئے امن وسلامتی کا ضامن ہے اور یہ ضمانت اللہ تعالیٰ نے خود دی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے دعوت جہاد کو بھی جہاد کا جزو قرار دیا ہے:

"جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم" (ابوداؤد)

(مشرکین کے خلاف اپنے اموال، جانوں اور زبانوں سے لڑو)......

جہاد کے نصاب کی تکمیل گویا اس روایت سے ہوگئی کہ جان، مال اور زبان سے کفار کے نظام کو مٹانے، اسلام کو غالب کرنے اور مظلوم مسلمانوں کو کفار سے نجات دلانے کے لئے لڑائی میں حصہ لینے سے جہاد مکمل ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیت:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ

''اور جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جیسا اس کا حق ہے'' (الحج: ۷۸)

کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، یعنی کہ جہاد کا حق تب ادا ء ہوتا ہے جب ان تمام صلاحیتوں کو کفار کے خلاف استعمال کیا جائے۔

❁...❁...❁

فِدائی حملہ

دورِ حاضر کے جہادی مباحث میں ایک اہم مسئلہ ''فدائی حملے'' کے جواز وعدم جواز کا ہے۔

فدائی حملہ زمانۂ حاضر کے مجاہدین کا وہ ہتھیار ہے جس نے دنیا کی تمام تر عسکری ٹیکنالوجی اور دفاعی حکمت عملی کا تاروپود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ ہر طرح سے محفوظ بنائی گئی تنصیبات، حفاظتی حصاروں میں گھرے ہوئے اڈے اور چھاؤنیاں، زمینی وفضائی نگرانی کے جال میں گھرے حساس مقامات جو بظاہر اَسباب کی نگاہ میں ہر طرح کے بیرونی حتیٰ کہ فضائی حملوں اور میزائلوں سے بھی محفوظ تصور کر لئے گئے ہوں، یہ الٰہی ہتھیار ہر جگہ کاری وار کر چکا ہے اور اب دنیا بھر کا کفر سپر پاور کے مقام تک پہنچ کر بھی اِس کے خوف سے تھر تھر کانپتا ہے۔

فدائی حملہ جسے عربی زبان میں ''**عملية إستشهادية**'' کہا جاتا ہے اس زمانے کی ایجاد نہیں ہے کہ اس کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہو بلکہ یہ زمانہ خیرالقرون، اس کے بعد کے جہادی اَدوار سے اب تک تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور کتب فقہ وتفسیر میں ''الاقتحام'' کے عنوان سے اس پر بحث کی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر زمانے کی جنگ اور آلات جنگ کے بدلاؤ کے ساتھ اس حملے کی صورت بدلتی رہتی ہے۔

فدائی حملہ یا **اِقتحام** کا مطلب ہے کسی مسلمان کا کفار کی اتنی بڑی جماعت پر اکیلے حملہ کر دینا جہاں اس کا بچ نکلنا محال ہو اور اس کی نیت بھی بچ نکلنے کی نہ ہو۔

یہ ایک غیر معمولی صورتحال ہے۔ عام طور پر روایتی جنگ میں اپنے بچاؤ کا ساز وساماں ساتھ

رکھ کر اور حفاظتی تدابیر اختیار کر کے ایک ترتیب کے ساتھ لڑا جاتا ہے جس میں دفاع مقدم اور اِقدام مؤخر ہوتا ہے۔ عام طور پر اسی طرح کی لڑائی ہی مسلمانوں کے لئے نافع ہوتی ہے، اسی میں مقاصد جہاد کی تکمیل بھی ہے اور اسلام کا اعزاز وشوکت بھی، قرآن وحدیث میں بھی اسی کا حکم ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو اور پھر نکلو چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں یا اکھٹے'' (النساء۷۱)

لیکن کچھ غیر معمولی حالات میں بچاؤ کا ساز وسامان پھینک کر دشمن پر شہادت کے لئے ٹوٹ پڑنے اور خود کو یقینی موت کے حوالے کرنے کا نہ صرف جواز ہے بلکہ اس پر مدح وتوصیف بھی کی گئی ہے لیکن حضرات فقہاء کرام نے اس حالت کی نُدرت اور عمومی ترتیب کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کا جواز مطلق نہیں مانا بلکہ مشروط کر دیا ہے۔

اس کے دلائل اور شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) ترجمہ: اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی جان بیچ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اور اللہ تعالیٰ (ایسے) بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرۃ ۲۰۷)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

''اور یہ آیت اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو قتال کی صف پر اکیلا حملہ آور ہو جائے۔ ہشام بن عامر نے قسطنطنیہ میں کفار کی صف پر اکیلے حملہ کر دیا اور لڑتے رہے، یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۵)

یہ اس حکم کی ایجابی دلیل ہے۔ ایک دلیل اس کی سلبی بھی ہے۔ سلبی دلیل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک عمل کسی علت اور سبب کی وجہ سے بظاہر ناجائز معلوم ہو رہا ہو، مگر اس پر ایسی دلیل قائم

کردی جائے جو ثابت کرے کہ وہ عدم جواز کی علت اس جگہ نہیں پائی جاتی۔اس سے عمل کا جواز ثابت ہوجاتا ہے۔

''**اقتحام**'' بظاہر جس وجہ سے ناجائز معلوم ہوتا ہے وہ علت ہے اس کا خودکشی ہونا۔اپنے ہاتھوں سے خودکو ہلاکت میں ڈالنا جو کہ ناجائز ہے۔کیونکہ قرآن مجید کا واضح ارشاد ہے:

''اپنے ہاتھوں سے خودکو ہلاکت میں نہ ڈالو'' (البقرۃ ۱۹۰)

لیکن اگر یہ ثابت کردیا جائے کہ''**اقتحام**'' اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے تو اس کا جواز ثابت ہوجائے گا اور یہ بات ثابت ہوچکی ہے۔

''اسلم ابوعمران کہتے ہیں کہ ہم ارض روم میں شریک جہاد تھے۔روم کا لشکر بہت بڑا تھا اور شہر پناہ کی دیوار کو پشت پناہ سمجھے ہوئے تھا۔مسلمانوں میں سے ایک شخص نکلا اور اس نے اکیلے ہی اس لشکر پر حملہ کردیا اور اندر گھستا چلا گیا حتی کہ شہید ہوگیا۔لوگوں نے کہا: اوہ،اوہ اس نے تو خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال دیا۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

اے لوگو! تم اس آیت کا مصداق اس شخص کو قرار دے رہے ہو؟ ہرگز نہیں (یہ اس کا مصداق نہیں) یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب ہم نے کچھ وقت کے لئے ترک جہاد کا ارادہ کرلیا تھا۔اس میں ہمیں کہا گیا کہ اگر تم اپنے اموال کی فکر میں پڑ کر جہاد چھوڑ دو گے تو خودکو ہلاکت میں ڈال لوگے۔(ترمذی)

ابوداؤد میں بھی یہ روایت الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ وارد ہوئی ہے:

اب دیکھئے!

میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق''**اقتحام**'' کرنے والا خودکشی کرنے والے کی طرح نہیں اور پیچھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی گذر چکی کہ انہوں نے''**اقتحام**'' کرنے والے کو اس دوسری آیت کا مصداق قرار دیا جس میں جان بیچنے والے مومن کی مدح کی گئی۔اب

دونوں روایات کوملا کرنتیجہ نکال لیجئے۔اس طرح حملہ کرنے والامومن خودکش نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام یافتہ ہے۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات وروایات کوسامنے رکھ کراس پوری بحث کا جو خلاصہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ ایسا کام اگر تین مقاصد کی وجہ سے کیا جائے تواس کا جواز ہے، ورنہ نہیں۔

"وقال محمد بن الحسن: لو حمل رجل واحد على ألف رجل من المشركين وهو وحده، لم يكن بذلك بأس إذا كان يطمع في نجاة أو نكاية في العدو ، فإن لم يكن كذلك فهو مكروه ; لأنه عرض نفسه للتلف في غير منفعة للمسلمين، فإن كان قصده تجرئة المسلمين عليهم حتى يصنعوا مثل صنيعه فلا يبعد جوازه ; ولأن فيه منفعة للمسلمين على بعض الوجوه . وإن كان قصده إرهاب العدو وليعلم صلابة المسلمين في الدين فلا يبعد جوازه. وإذا كان فيه نفع للمسلمين فتلفت نفسه لإعزاز دين الله وتوهين الكفر فهو المقام الشريف الذي مدح الله به المؤمنين في قوله: إن الله اشترى من المؤمنين أنفسهم الآية . إلى غيرها من آيات المدح التي مدح الله بها من بذل نفسه" (الجامع لاحکام القرآن، ج ۲ ص ۳۶۲)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اگر **اقتحام** تین مقاصد کے لئے ہوتو یہ نہ صرف جائز بلکہ ایسا عمل ہے جواللہ تعالیٰ کے ہاں تعریف اوراس کی رضاء کا مستحق بناتا ہے:

(۱) مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنا تاکہ وہ بھی ایسا عمل کریں اور دشمن کا نقصان کریں۔خصوصاً مایوسی اورشکست کے وقت۔

(۲) کفار کومرعوب کرنااوران کازیادہ نقصان کرنا۔

(۳) مسلمانوں کو نفع پہنچانا۔

اگر **اقتحام** کرنے والے کی نیت ان مقاصد میں سے کسی کے حصول کی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر نیت کوئی اور ہے تو درست نہیں۔

اب ان تینوں مقاصد کے جواز کے دلائل و اُمثلہ

(۱) حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

غزوہ احد کے دن جب مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی شہادت کی خبر سنی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان میں مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ کچھ مسلمان اس حالت میں مدینہ کی طرف بھی دوڑ پڑے تھے۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گذرے اور ان سے کہا: یوں کیوں مایوس ہو کر بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ شہید ہو گئے اب ہم کیا لڑیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس چیز پر نبی کریم ﷺ نے جان دی تم بھی اس پر جان دو۔ خدا کی قسم مجھے تو جنت کی خوشبو احد پہاڑ سے آ رہی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی زرہ اتار پھینکی اور دشمن کے اندر گھس گئے اور لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے اس عمل سے مایوسی کے عالم میں بیٹھے ہوئے مسلمان اٹھے اور دشمنوں پر حملہ کر کے انہیں میدان سے بھگا دیا۔

(۲) حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ دوران جنگ نبی کریم ﷺ کے سامنے آئے اور عرض کیا:

''بندے کا وہ کیا عمل ہے جو رب کو اس پر ہنسا دیتا ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا:

اس کا اپنی زرہ اتار کر دشمنوں کے خون میں لت پت ہو جانا

یہ سن کر انہوں نے اپنی زرہ اتار پھینکی اور دشمن پر حملہ آور ہوئے حتی کہ شہید ہو گئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اس طرح کا غیر معمولی حملہ دشمن کے لئے روایتی جنگ سے زیادہ نقصان دِہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنا بچاؤ کر کے لڑنے والے شخص کی یلغار میں وہ شدت اور قوت نہیں ہوتی جو ایک فدائی کی یلغار میں ہوتی ہے۔ اس لئے روایتی جنگ کے ساتھ چند لوگوں کا اس طرح غیر معمولی اقدام بھی جنگ میں فتح اور دشمن کی کمر توڑنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

(۳) سِیَر کی تقریباً تمام کتب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جنگ یمامہ میں جب بنوحنیفہ نے خود کو ایک اونچی دیواروں والے باغ میں بند کر لیا اور اندر سے تیراندازی شروع کر دی تو مسلمانوں کو نہ صرف شدید نقصان پہنچایا بلکہ ان کی پیش قدمی بھی مکمل روک دی۔ تمام تر تدبیریں جب ناکام ہوئیں تو معروف صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انہیں ڈھال پر بٹھا کر چند مسلمان اچھال کر باغ کے دروازے کے سامنے اندر پھینک دیں وہ دروازہ کھول دیں گے تو مسلمانوں کا لشکر اندر داخل ہو جائیگا۔ ابتداء میں انہیں انکار کیا گیا مگر جب کوئی صورت کارگر نہ ہوئی تو انہیں اندر پھینک دیا گیا۔ انہوں نے دروازے پر متعین تیراندازوں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا اور خود شدید زخمی ہو کر نڈھال ہو گئے۔ مسلمان اندر داخل ہوئے اور فتح یاب ہوئے۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی منفعت کے لئے یقینی موت کو قبول کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جم غفیر نے انہیں اس کے حوالے کیا جو اس عمل کے جواز کی بیّن دلیل ہے۔

مسلمانوں کی منفعت کے لئے **اقتحام** کا یہی مطلب ہے کہ اگر کفار ایسی تدبیر اختیار کر لیں جس سے پیش قدمی رک جائے اور لشکر اسلام کی کارروائی کی کوئی صورت نہ رہے تو ایسی حالت میں کسی مسلمان کا ایسا غیر معمولی اقدام کہ وہ اپنی جان دے کر رُکی ہوئی جنگ کو جاری کر دے اور مسلمانوں کی فتح کا دروازہ کھول دے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان تمام مقاصد کے لئے ایسے استشہادی حملے ثابت ہیں اور ہر

زمانے کے جہاد میں ان کی مختلف شکلیں اختیار کی جاتی رہیں ہیں۔ دور حاضر میں بھی کفار کے خلاف فدائی حملے انہی مقاصد کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں، اس لئے ان کے جواز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنا چاہیے۔ رہی بات خودکشی ہونے کی تو اس کا جواب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ والی روایات میں آچکا۔

جہاں تک بات ہے اسلامی ممالک میں ہونے والے خودکش حملوں کی وجہ سے کفار پر ہونے والے ان حملوں کے جواز پر شک کی تو یہ بات کوئی عاقل نہیں کرسکتا۔ کیا کوئی غلط کام کسی صحیح کام کے غلط ہونے کی وجہ بن سکتا ہے؟

مسلمانوں کے عوام پر ہونے والے ان حملوں کے نہ تو یہ مقاصد ہیں جو اوپر درج کئے گئے اور نہ ہی یہ جہادی نقطہ نظر سے کئے جاتے ہیں۔ یہ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں پر کچھ لوگوں کا انتقامی ردعمل ہیں جسے کوئی اہل علم نہ جائز کہہ سکتا ہے اور نہ ان کی تحسین کرسکتا ہے بلکہ علماء اسلام اور مجاہدین نے ہمیشہ ان کی مذمت کی ہے اور اس کی پاداش میں خود بھی ان کا نشانہ بنے ہیں۔

مجاہدین دنیا بھر میں حربی کفار کے خلاف دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں اور اس جنگ میں ''**اقتحام**'' ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ عظیم ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے جسموں کو اسلحہ بنا کر کفار کی ٹیکنالوجی اور مادی ترقی کا بطلان دنیا پر واضح کردیا ہے اور ان فرعونوں کی کمزوری عیاں کردی ہے۔ اسلام کے ان فدائیوں کو سلام......

❁...❁...❁

جَماعت

جہاد کی فرضیت اور اہمیت کو سمجھنے کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا لازم ہے کہ جہاد کا اہم ترین اور بنیادی رکن جماعت ہے۔ مسلمانوں کا ایک ایسا منظم گروہ جو جان و مال کی قربانی کے جذبات سے سرشار ہو، اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر گھر بار، خاندان، قبیلہ، تجارت و زراعت ہر چیز ترک کرنے پر آمادہ ہو اور ایک امیر کے ہاتھ پر جان دینے اور استقامت کے ساتھ جہاد کو قائم رکھنے کی بیعت کر چکا ہو اور اس امیر کے حکم کو بصدق دل مانتے تاوقتیکہ وہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کا حکم کرے، اگر وہ ایسا کرلے تو اس کی اطاعت ناجائز ہوگی بصورتِ دیگر تمام امور میں اس کی اطاعت لازم ہے۔

قرآن پاک میں سورہ بقرہ کے وہ دو رکوع جن میں ایک مومن کو جہاد کا پورا نصاب سمجھایا گیا ہے ان میں اہل ایمان کو جان و مال کی قربانی پر آمادہ کرنے کے بعد جو سب سے پہلی بات سمجھائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ جہاد کے لیے جماعت قائم کی جائے۔ دوسرے پارے کے آخری دو رکوع نظریہ جہاد، نظریہ جماعت، نظریہ اطاعت اور پھر ان تینوں باتوں کے فوائد سمجھانے کے لیے کافی و شافی ہیں۔ آیئے! ان کی روشنی میں قرآن پاک کے اس حکم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی وہ قوم جس پر دشمن مسلط ہو چکے تھے اپنے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کفار کے خلاف جہاد کر کے غلامی سے نجات پانے اور سابقہ غلطی کا ازالہ کرنے کی استدعا کی۔ اس امت پر چونکہ جہاد ہمیشہ کے لیے فرض نہیں تھا اس لیے ہر موقع پر از سر نو اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی، اجازت مل جانے کے بعد ہدف کے حصول تک جہاد فرض رہتا تھا۔ اس قوم کو جب جہاد کی اجازت ملی تو بزدلی اور بخل میں مبتلا ہو گئے۔ شیطان نے دشمن کی ظاہری طاقت

کی طرف متوجہ کر کے ڈرایااور موت کے خوف میں مبتلا کر دیا تو دل میں جہاد سے پہلوتہی اور اعراض کا خیال آنے لگااور ساتھ ہی یہ بھی باور کرایا کہ جہاد میں تو مال بھی خرچ ہوگا۔اس طرح تم مفلس ہوجاؤ گےاور اپنی ضروریات پوری نہ کرسکو گے۔ جہاد کا حکم سن کر بزدلی اور بخل میں مبتلا ہونا ایک داخلی مرض ہے اور سخت امتحان ہے، اکثر انسان اس امتحان سے دوچار ہوتے ہیں پھر کچھ بچ نکلتے ہیں اور کچھ اس کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔اس مشکل کا حل اس قوم کو اور اس قوم کی وساطت سے ہمیں یوں دیا گیا کہ زندگی موت کا فلسفہ سمجھا کر حبِ جان کا اعلاج کیا گیا اور مال کیوں لیا جارہا ہے؟ یہ بتا کر حبِ مال کا علاج کر دیا گیا۔زندگی موت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ مُحیی (زندگی دینے والا) اور وہی مُمیت (مارنے والا) ہے۔

ہر انسان کی موت کا وقت، جگہ اور انداز لکھ دیا گیا ہے۔کوئی شخص نہ لمحہ بھر تجاوز کرسکتا ہے اور نہ پہلے مرسکتا ہے، اور ایک عملی مثال سے یہ بات بھی سمجھا دی گئی کہ جہاد سے رکنا موت سے نہیں بچاسکتا بلکہ زیادہ تر لوگ میدانِ جہاد سے پیچھے رہ کر ہی مرتے ہیں اور جب جہاد کرایا گیا تو مزید پختگی کے ساتھ یہ منظر دکھایا گیا کہ میدانِ جہاد میں کوئی ایک شخص بھی شہید نہ ہوا۔ اور رہی بات مال کی، تو بتایا گیا کہ یہ مال بطور قرض کے لیا جارہا ہے، واپس لوٹا دیا جائے گا اور اجر وثواب کا پیمانہ بھی اس عمل کے باب میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ غنی ہیں تم محتاج ہو۔ دنیا کی زندگی مختصر اور آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے، وہاں حاجت دنیا کی نسبت زیادہ ہے اس لیے اس اصل زندگی کے لیے محفوظ کیا جارہا ہے۔فکرمند نہ ہو بہت بڑھ کر ملے گا۔ یوں بخل بھی دور ہوگیا۔ یہ ہے نظریہ جہاد کہ جان و مال کی قربانی کے لیے تیار ہوجائیں۔

پہلی مشکل حل تو ہوگئی مگر جہاد آسان نہیں ہوا۔اب ایک اہم مرحلہ درپیش ہے۔ جہاد بغیر جماعت کے نہیں ہوسکتا اس لیے لازماً جماعت بنائی جائے۔نظریہ جہاد کے حاملین اکٹھے ہو جائیں اور ایک مقصد پر جمع ہوں۔ یہ ہے جماعت۔اور جماعت کے لوازم میں سے امام اور امیر

کاتعین ہے کہ اس کے بغیر جماعت بنتی ہی نہیں۔ یہ ایک سخت امتحان ہے۔ امیر کیسے بنایا جائے؟ امام کیسے چنا جائے؟ نماز کی جماعت کے لیے امام ضروری ہوتا ہے اور امام بنایا جاتا ہے اس شخص کو جو صحیح طریقے سے نماز پڑھا سکے، اپنی نماز بھی ٹھیک ہو اور دوسروں کو بھی درست طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہو۔ یہاں جہاد کے لیے امیر بنانا ہے۔ لازماً ایسا شخص درکار ہے جو جہاد کرا سکے۔ یہ شخص کون ہوگا؟ ایک ایسا مومن جو نظریہ جہاد کا حامل ہو اور دو صفات میں مسلمانوں کی جماعت میں امتیازی شان رکھتا ہو۔

①	علم	②	جنگی مہارت وترتیب

علم اس لیے ضروری ہے کہ جہاد ایک انتہائی نازک فریضہ ہے۔ اس میں لڑائی اور قتل وغارت کی حدود مقرر ہیں۔ اگر ان حدود سے تجاوز کیا جائے تو جہاد فساد بن جاتا ہے۔ جہاد کے احکام بہت زیادہ ہیں دورانِ جنگ بھی اور جنگ کے بعد بھی، اگر ان احکام کو پورا نہ کیا جائے تو مقاصد جہاد تشنہ تکمیل رہ جاتے ہیں۔ اور ان سب باتوں کو صرف وہی شخص جان سکتا ہے جو علمِ صحیح وافر مقدار میں رکھتا ہو۔ اور دوسری چیز جنگ کی سمجھ بوجھ ہے تاکہ جنگی چالوں کے ذریعے دشمن کو شکست دے سکے۔ اپنا اور اپنی جماعت کا دفاع کر سکے، پینترے بدل بدل کر دشمن پر وار کرے تاکہ اسکا زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔ جنگ کے تمام رائج الوقت طریقوں کو جانے تاکہ ہر دشمن سے لڑ سکے اور لڑا سکے۔ قرآن پاک بتاتا ہے کہ مذکورہ بالا دو صفات کی بنیاد پر امیر منتخب کیا جائے تو جماعت کامیاب ہوتی ہے اور اس انتخاب میں قوم، قبیلہ، ذاتی منصب ووجاہت اور دولت کو ہرگز نظر میں نہ رکھا جائے۔ لیکن یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔ اس میں اختلاف ہوتا ہے۔ لوگوں کے خود متعین کردہ امیر کا کیا ذکر یہاں تو اللہ تعالیٰ کے منتخب فرمودہ امیر پر بھی اختلاف ہوا اور لوگ جماعت کے ساتھ جڑے نہ رہ سکے۔ کسی کو قوم اور قبیلہ کی محبت لے ڈوبی، کوئی عصبیت کے سیلاب میں بہہ گیا، کسی نے دولت کی کمی کے سبب راہیں جدا کرلیں اور کوئی ذاتی وجاہت کے نہ ہونے کا

بہانہ کر کے ٹوٹ گیا۔ جماعت بننا مشکل کام ہے اور اس میں یہ سارے مراحل آتے ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نظریہ جماعت سمجھ میں آ جائے اس کے لیے معاملہ آسان ہے۔ قرآن نے خود امیر کے انتخاب کا پورا نصاب بتا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جماعت کا امیر بنایا اور اس کی دو وجوہات بھی خود ارشاد فرما دیں تاکہ جہاد کرنے والی جماعت کو کبھی بھی انتخاب امیر میں دشواری پیش نہ آئے۔ پہلے دشواری اور بعد میں اختلاف صرف اسی وقت پیش آتے ہیں جب حکم قرآنی کو فراموش کیا جائے اور امیر کے انتخاب میں ان دو امور کے علاوہ دیگر چیزوں کو پیش نظر رکھ لیا جائے۔

دو مراحل سے گزر کر جماعت تو وجود میں آ گئی لیکن ابھی ایک تیسرا مرحلہ باقی ہے۔ جماعت میں شمولیت اختیار کرنے والے ہر شخص کو سمجھنا اور جاننا چاہیے کہ جماعت کا امیر محض ایک رسمی اور علامتی بزرگ نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو اس بارے میں ایک اور نظریے کو پختہ انداز میں دل میں بٹھانا ہوگا اور وہ ہے نظریہ اطاعت۔ امیر واجب الاطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اس کی بات ماننے کا حکم ہے، امیر کی اطاعت فتوحات کی کنجی اور اس کی نافرمانی شکست کا دروازہ ہے، قرآن مجید یہ بات اچھی طرح سمجھا رہا ہے، اس واقعے میں بھی سورہ آل عمران میں غزوہ احد کے ذکر کے موقع پر بھی۔ یہ بھی ایک سخت اور مشکل امتحان ہے۔ امیر کا ہر حکم ہر شخص کے لیے برابر قابلِ فہم بھی نہیں ہوتا اور ہر شخص کی ذاتی رائے کے موافق بھی نہیں ہوسکتا۔ ایسے میں کیسے مان لیا جائے؟ اور وہ بھی بلا چون وچراں؟ اسی مان لینے کا نام اور سنتے ہی مان لینے کا نام السمع والطاعۃ ہے جسکی نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو محض ترغیب نہیں دی وصیّت کے الفاظ سے تاکید فرمائی ہے۔ اس قرآنی نصاب میں قرآن پڑھنے والوں کو جب جماعت بنانا سکھائی گئی تو جس جماعت کو مثال بنایا گیا اسے ان تمام حالات سے گزارا گیا۔ پہلے نظریہ جہاد سکھایا اور سمجھایا گیا پھر نظریہ جماعت کی پوری حقیقت ذہن نشین کرائی گئی اور پھر

اطاعت کا امتحان لیا گیا۔ سخت تھکی ہوئی اور پیاس سے بے حال قوم کو امیر نے حکم دیا کہ وہ سامنے بہتے دریا کا پانی نہیں پی سکتے سوائے ایک چلو بھر مقدار کے۔ جو اس سے زیادہ پیے گا وہ جماعت کے ساتھ چلنے کا اہل نہ رہے گا۔ بات ناقابلِ فہم اور موقع کے اعتبار سے اس پر عمل بھی کافی مشکل تھا اس لیے جماعت کی اکثریت اطاعت نہ کر سکی اور نافرمانی کر بیٹھی اور سخت وبال کا شکار ہوئی اور جہاد میں شرکت سے محرومی سے دوچار ہوئی۔ نافرمانی میدانِ جہاد سے باہر ہوئی تو نافرمان پکڑ میں آئے اور میدان جہاد کے اندر ہو جائے تو ساری جماعت مشکل میں پڑ جاتی ہے جیسے میدانِ اُحد میں ہوا۔

یوں دیکھیے! قرآن بتا رہا ہے کہ کوئی مسلمان نظریہ جہاد نہ سمجھنے کی وجہ سے جہاد سے محروم رہ جاتے ہیں اور کئی نظریاتی لوگ نظریہ جماعت نہ سمجھنے کی وجہ سے۔ اور پھر جماعت کے ساتھ چلنے والا وہ شخص بھی محروم ہو جاتا ہے جو نظریہ اطاعت کو نہ اپنائے۔ یوں کتنے تھوڑے خوش نصیب وہ ہوتے ہیں جو ان تینوں نظریات کو مکمل اپنا کر جہاد کے حسین میدان تک پہنچ جاتے ہیں؟ ہزاروں میں سے صرف تین سو تیرہ

اب پکی جماعت مختصر ہی سہی مگر اس کے حق میں نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ تین سو تیرہ لاکھوں پر غالب آتے ہیں، کمزور افراد لمبے تڑنگے طاقتور دشمن کے دانت کھٹے کر دیتے ہیں، حضرت داود علیہ السلام بچپن کی عمر میں جالوت جیسے قد آور کافر کو مار گراتے ہیں اور جہادی جماعت کے پھینکے ہوئے معمولی کنکر لوہے کی دیواروں کو کاٹ کر گزر جاتے ہیں اور چند لمحوں کی لڑائی سے صدیوں کی غلامی سے نجات اور مقدس اراضی کی بازیابی عمل میں آجاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ بڑی بڑی روحانی اور معنوی نعمتیں بھی ملتی ہیں اور تسلسل کے ساتھ ملتی رہتی ہیں تاکہ جماعت کا نظریہ اور پختہ تر ہوتا جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جہاد فرض ہے، اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ جماعت کا وجود جہاد کا رکن اعظم

ہے اور جماعت کا قیام اطاعت کے ساتھ ہے۔ اطاعت میں کمزوری جہاد کا وہ گناہ ہے جسکی سزا نقد ہے کہ اسکی موجودگی میں فتح و نصرت نہیں مل سکتی۔ غزوہ احد کا واقعہ اسکا شاہد عدل ہے اور حجت کے طور پر قرآن مجید میں مذکور قیامت تک خبردار کر رہا ہے کہ اطاعت امیر میں نقص ہو تو صحابہ کرام جیسی مقدس اور کامل جماعت بھی زخموں سے چور اور فتح سے دور کر دی جاتی ہے۔۔ نبی کریم ﷺ نے جہاد کے ہمیشہ جاری رہنے کی بھی خبر ارشاد فرمائی اور جماعت کے ہمیشہ قائم رہنے کی بھی۔ قرآن مجید میں بھی واضح ارشاد ہے کہ جب لوگ عموماً جہاد کو ترک کر دیا کریں گے، اللہ تعالیٰ کے امر سے جہاد کرنے والی جماعت حزب اللہ (اللہ کا لشکر) وجود میں آیا کرے گی اور اس جماعت کے ارکان کی صفات بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ انہی صفات کو اپنا کر میدان میں آنے والی جماعت ہی غالب آ سکتی ہے اور جہاد کے مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے۔

البتہ ایک بات جو پہلے تفصیل اور دلائل کے ساتھ مذکور ہو چکی اس کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاد کے لئے جماعت اور امیر کی شرط کا مطلب خلافت اور خلیفہ کا موجود ہونا نہیں ہے۔ اگر وہ موجود ہوں تو فبھا اور اصل اسلامی معاشرے کی صورت بھی وہی ہے لیکن ان کا ہونا ضروری شرط نہیں بلکہ جو لوگ بھی جہاد کرنا چاہیں ان پر لازم ہے کہ جماعت بنائیں، اس پر امیر مقرر کریں اور جہاد کریں۔ جہاد کے دشمن اور مخالفین اس بات کو اعتراض کے طور پر استعمال کر کے مسلمانوں کے ذہنوں کو جہاد سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون کے بالکل آخر میں اس تلبیس کی تردید کے لئے حضرات اکابر علماء دیوبند کے جہاد شاملی کا واقعہ تبرکاً نقل کر رہا ہوں کہ وہ اس اعتراض کا جواب بھی ہے۔

شاملی کا جہادی معرکہ جو کہ جنگ آزادی کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں لڑا گیا۔ ان کے امیر بنائے جانے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ خانقاہ تھانہ بھون جو اس زمانے میں دکّان معرفت کے لقب سے موسوم تھی تین بزرگوں کی آماجگاہ تھی۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ محمد

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اوّل الذکر دونوں بزرگوں کا اتفاق تھا کہ علم جہاد بلند کرنا چاہئے مگر شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اختلاف تھا۔ وہ چونکہ عالم تھے اس لئے ان سے اس سلسلے میں بحث کرنے تشریف لے گئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ بات چیت کچھ یوں ہوئی۔ شیخ محمد صاحب سائل تھے اور یہ حضرات مجیب۔

سوال: جہاد کے لئے امیر ہونا چاہئے ہمارے پاس امیر نہیں؟

جواب: امیر مقرر کرنا تو اپنے اختیار کی بات ہے، حضرت حاجی صاحب ہم سب کے بڑے ہیں ابھی ان کے ہاتھ پر بیعت علی الجہاد کر کے انہیں امیر بنالیا جائے۔

سوال: جہاد استطاعت سے ہوتا ہے جبکہ ہم میں استطاعت نہیں؟

جواب: کیا اصحاب بدر جتنی بھی نہیں؟

بس معاملہ ختم ہو گیا۔ بیعت ہوئی، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر بنائے گئے اور جہاد کا اعلان کر دیا گیا۔ سیدّ الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیر، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امیر لشکر، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قاضی لشکر اور توپخانے کے انچارج۔

بس یہ ہے وہ جماعت سازی جو جہاد کے لئے شرط ہے۔

جہاد کا یہ مختصر بیانیہ یہیں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ جہاد کے اہم مباحث اور ان سے متعلق امت کا اجماعی موقف آسان الفاظ میں قارئین کے سامنے آجائے۔ سوالات کے جوابات خود مسائل کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ تفصیل درکار ہو تو وقت نکال کر چھ روزہ دورہ تفسیر آیات جہاد میں شرکت کر لیں۔ وہاں ہر سوال کا تفصیلی جواب بزبان قرآن مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس فریضے کی کما حقہ سمجھ نصیب فرمائیں جس کی سب سے بڑی دلیل آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مبارک خون اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جسموں کے ٹکڑے ہیں۔

Maktaba03015911750